بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Fajar & Isha Times in Britain , Eclips & Moonsighting ! What is New?

(Up dated by 21DhulQaad1430/9th Oct 2009 Monday)

فجر وعشاء کے اوقات کے حوالہ سے تازہ تجزیہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعہ الیٰ یوم الدین

اللہ کے پیغمبر ﷺ کا وہ چیلنج جس کا آج بھی توڑ نہیں!!!

(۱) کیا چاند وسورج گہن کی پیش گوئیاں اور علمِ فلکیات ایک نیا تجربہ ہے؟ جو اسلام کی آمد کے بعد اب ظاہر ہوئی؟ یا یہ نہ صرف اسلام بلکہ دینِ موسوی سے بھی پہلے سے اور پچھلے پانچ ہزار سالہ دور اور حضرت ادریسؑ کو اللہ کی طرف سے خصوصاً عطاء کردہ (برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت از ی م ؛ص) مگر دینِ اسلام میں دوسرے ساقط شدہ احکامات اور علمِ جادو کی طرح شرعاً ساقط ومردود علم ہے؟ (تفصیل آگے پڑھیں گے)

(یاد رہے جادو کو اللہ نے بابل 'یعنی بغداد، عراق' کی سرزمین پر دو فرشتوں ہاروت وماروت کے ذریعہ نازل کیا تھا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ انبیائی معجزات وانبیاء اور جادو وجادوگروں کے درمیان کیا فرق ہے تا کہ لوگ انبیاء پر ایمان لائیں اور ''جادوگری'' سے محفوظ رہیں۔ اللہ کا فرمان ہے واتّبعوا ماتتلوا الشیٰطین علی ملک سلیمٰن وما کفر ....سے...ببابل ھاروت وماروت تک (البقرہ ۲ آیت ۱۰۲)

.....

(۲) کیا نمازوں کے اوقات خصوصاً صبح وشفق (فجر وعشاء) کے لئے شارع علیہ السلام کے طریقہ کے مطابق ان کی روشنی کے مشاہدات اصل ہیں یا پھر ان پر دال اندازی مفروضہ فلکی ڈگڑیاں؟ (تفصیل آگے پڑھیں گے)

(۳) بریلوی مکتب عالم کی اوقاتِ صلوٰۃ پر ایک تازہ کاوش اور اس پر ہمارا تجزیہ (تفصیل آگے پڑھیں گے)

قارئین کے سامنے اس سے قبل ہماری اردو انگلش گجراتی تحریرات وکتب سے تفصیلاً واضح کیا جا چکا ہے کہ مفتیانِ کرام نے جہاں شرعاً باطل فلکیاتی حسابات، نیومون تھیوری اور اس کے امکانِ رویت کے قواعد کی شرط کو چاند کی رویت وثبوتِ ہلال کے لئے رد کرتے ہوئے اپنے فتاویٰ میں لکھا کہ ''شرعی گواہی ہی معتبر ہے چاہے اِس ۲۹ ویں کی شام نیومون تھیوری کا امکانِ رویت ہو یا نہ ہو! نیز مسلمانوں کے تجربات اور عالم میں مختلف جگہوں میں بشمول برطانیہ وسعودی عربیہ، ہندو پاک، مصر وغیرہ میں نیومون تھیوری اور اس کے امکانِ رویت کے برخلاف رویتِ ہلال ہوئیں (کلِک کریں اور دیکھیں ہماری ویب سائٹ میں UK Moon Sighting Record اور ہماری اردو/انگلش کتب

(

پس جب شرعاً متعیّن ماہ کی ۲۹ ویں کی شام چاند دیکھ لیا جائے تو اس کی شرعی گواہی معتبر ہے لہٰذا نیومون نہ ہونے یا امکانِ رویت نہ ہونے کو بنیاد بنا کر ۲۹ ویں کی شام تیسویں رات کو چاند کی گواہی اور اسکے ثبوت کو رد نہیں کیا جا سکتا اسی طرح سعودی عربیہ کی رویت وثبوتِ ہلال کو بھی فلکیات کے حساب کی بنیاد پر رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ سعودی عربیہ کی رویت وثبوتِ ہلال کی حیثیت ان دوسری جگہوں کی ''باطل خبروں کی بہ نسبت بدرجہا افضل ترین وقابلِ عمل ہے کہ جہاں ان حسابات کے ماتحت ہی رویت وثبوتِ ہلال کی رویت وثبوتِ ہلال کا فیسلہ کیا جاتا ہے! مثلاً ساؤتھ افریقہ اور مراکش وغیرہ کہ ان ممالک کی خبروں پر ان سے باہر اور برطانیہ کے لوگوں کو عمل کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ مفتیانِ کرام چاند کے دیکھنے اور ثابت کرنے کے لئے ان حسابات کو جہاں غیر شرعی کہتے ہیں وہیں ان کی حیثیت کو شرعاً ''غیر دینی حساب وغیر معتبر بھی قرار دیرہے ہیں اور جب ایسے حساب پر ان ممالک میں عمل کیا جاتا ہے جو ان کی ویب سائٹس تفصیلات وبیانات سے ثابت ہے نیز دوسری جگہ کی خبروں پر عمل کے لئے وہاں کی خبر وثبوتِ ہلال کا ''شرعی'' ہونا بھی ضروری ہے جبکہ ان ممالک کا ثبوتِ ہلال ''شرعی'' نہیں تو ان کی غیر شرعی خبروں پر ہرگز عمل کرنا درست نہیں یہ۔ یہ روزے جیسی اہم عبادت کا معاملہ ہے اور اہلِ سنت والجماعت خاص کر برِصغیر ہندو پاک کے دیوبندی بریلوی بزرگ علماء ومفتیانِ کرام کے فتاویٰ بھی ان حسابات پر مبنی ثبوتِ ہلال کو ناجائز وغیر شرعی قرار دیرہے ہیں (اہلِ سنت والجماعت کیلئے ہماری ویب سائٹ WWW.HIZBULULAMA.ORG.UK میں فتاویٰ ذیل کی کتب (از مولوی یعقوب مقاحی) میں دیکھو:

(۱) شرعی ثبوتِ ہلال تاریخ فلکیات وجدید تحقیق (۲) شرعی ثبوتِ ہلال وفلکیات (پانچ حصّہ)

(دونوں؛ بشمول بریلوی مکتب ثبوتِ ہلال ونماز اوقات فتاویٰ مع اعلیٰ حضرت فاضل بریلی واعلیٰ حضرت فاضل دیوبند)

(۳) The Shari'ah Moon Sighting, Salat Times & Astronomical facts (3Chapters)

(۴) Hilal Judgment on Moon sighting according to Sharia`h

(Both;Includs Hilal & Salat Times Fatawa by Bareli Scholer`s togather Aae`la Hazrat Fazil Bareli & Aae`la Hazrat Fazil Deoband)

ثبوتِ ہلال کے علاوہ نماز اوقات کے حوالہ سے قارئین کو معلوم ہی ہے کہ سال بھر کے ہمارے مشاہدات کے مطابق ثابت ہوا تھا کہ فجر وعشاء کے ڈگڑی والے اوقات غلط ہیں۔ ساتھ ہی مون سائٹنگ ڈاٹ کوم والے ڈاکٹر خالد شوکت صاحب کی دس سالہ تحقیق ورِسرچ بھی اسی نتیجہ پر پہونچی ہے کہ ان نمازوں کے لئے کوئی ڈگڑی (۱۵، ۱۸ وغیرہ) خاص نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ دنیا بھر کے مشاہدات اس بات پر شاہد ہیں (اوقاتِ صلوٰۃ پر www.moonsighting.com کے ہوَم پیج پر کلِک کرو، نیز ہماری کتاب Fajar & Isha and Twilight بھی دیکھو)۔

یہ بات اپنی جگہ جہاں حقیقت ومشاہد ہے وہیں ساتھ ہی ایک اور بات بھی مدِ نظر رہے کہ جب ہم برطانیہ اور اس کے قرب وجوار کے جن ممالک کے حوالہ سے بات کرتے ہیں وہ مفروضہ خطِ استواء سے جانبِ شمال کے وعلاقے ہیں جو زبردست غیر معتدل موسمی حالات کے علاقے ہیں جیسے کہ یہ کسی پر مخفی نہیں اور جس کا نظارہ یہاں مقیم حضرات وخواتین ہر سال ہر موسم میں کرتے رہتے ہیں جبکہ یہ حالات خطِ استواء اور اس کے جانبین کے قریبی علاقوں خصوصاً برِصغیر ہندو پاک وغیرہ میں نہیں پائے جاتے اور وہاں کے دن رات وموسم سال بھر معتدل رہتے ہیں۔ خطِ استواء سے قریب وبعید دونوں مقام کے ان حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ جاننا وسمجھنا مشکل نہیں کہ ''وہاں اور یہاں کے تجربات کے نتائج یکساں ہوں! بلکہ یہ قطعی مختلف اور مشاہد ہے،

یہی وجہ ہے کہ یہاں کے ہمارے تجربات ومشاہدات کے نتائج کوخود برِصغیر ہندوپاک کے مفتیانِ کرام نے نہ صرف تسلیم کیا بلکہ ہمیں اسی کے مطابق عمل کے لئے بھی فرمایا، مثلاً ہم نے جب یہاں کے مشاہدہ کے مدِنظر مفتیان کرام کو اپنے سوال میں (امداد الاحکام ج ا ص ۴۰۶ سے حضرت مفتی ظفر احمد تھانویؒ کے ۷۰ سال پہلے کے ایک برطانوی سائل کے مشاہدہ نہ کرسکنے پرسوال پر آپ کا جواب کہ ''غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بعدعشاء پڑھ لیں'') کونقل کرکے لکھا کہ مشاہدہ کا نتیجہ یہاں اس کے خلاف ہے تو کیا کیا جائے تو ہرایک نے بہرصورت اسی قول پرعمل کے بجائے ہمارے مشاہدہ پر ہی عمل کے لئے لکھا۔ یہاں دومثالیں ملاحظہ ہوں ؛(پہلی مثال) مثلاً مفتی اسمٰعیل بھرکوڈروی، دارالافتاء دارالعلوم بھروچ کی ہے جنہوں نے ہمیں اپنے جواب میں فرمایا کہ ''کسی بھی مفتی کا فتویٰ یا کسی بھی فقیہ کا قول جب شریعت کے اصول کے خلاف ہوتو قابلِ عمل نہیں رہتا ہے بلکہ واجب الترک ہے، اگر صاحبِ فتویٰ حیات ہوتے تو خود رجوع فرماتے بلکہ مسلمانوں پرلازم ہے کہ مشاہدات سے جو چیز، قول، فتویٰ، غلط ثابت ہواس کوچھوڑ دینا چاہیئے اھ۔ (دوسری مثال) نیز حضرت مفتی اسمٰعیل صاحب واڈیؒ، دارالافتاء جامعہ حسینیہ راندیر نے بھی اِسی کے مثل فرمایا کہ ''جن دوجلیل القدر بزرگوں (مفتی ظفر احمد تھانوی ومفتی یحیٰ صاحبؒ مظاہر العلوم سہارنپوروالوں) کا تذکرہ (ایک گھنٹہ کے وقفہ پر) عشاء پڑھنے کے بارے میں کیا گیا ہے تو یہ حضرات توہندوستان کے ہیں اور یہ مسئلہ یوکے کا ہے، نیز مشاہدات اس (ایک گھنٹہ کے وقفہ) کے خلاف ہے تو (یہ فتوے اور یہ وقفہ) قابلِ عمل نہیں رہے گا۔اھ (دیکھو برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت از؛ مولوی یعقوب احمد مفتاحی۔صفحہ ۶۱/۶۲)

نوٹ ؛یادرہے کہ ہم نے مذکور کتاب ''برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت'' میں جتنے بھی فتاویٰ نقل کئے ہیں ان کی عبارات بعینہ ان مفتی حضرات کی اپنی ہی عبارت ہے سواء بریکیٹ کے جس کی طرف ہم نے اِسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰ پر نوٹ نمبر ۲ میں بھی یہ بات قارئین کو بتائی ہے تاکہ نہ تو کسی کو کوئی مغالطہ ہواور نہ ہی کوئی دوسروں کو مغالطہ دے سکے! یہ تو دیوبند مکتب کے مفتیان کے حوالوں سے بات ہوئی اب بریلوی مکتب مفتیانِ کرام کو بھی دیکھیں! ہم نے انہیں سوال کیا تو سب نے مشاہدہ کو ڈگڑی اوقات پر ترجیح دی اوران کے فتاوی ابھی دیوبند مکتب مفتیانِ کرام کے اقوال سے مختلف نہیں ہیں، مثلاً (تیسری مثال) دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات کے **مفتی محمد شبیر احمد صاحب** نے جواباً فرمایا؛**احادیث مبارکہ میں جو علامتیں بتلائی گئی ہیں اس کو اولیت حاصل ہے** (نہ کہ رصدگاہوں کے حسابات کو)اس لئے **مشاہدہ کو رصدگاہی حسابات پرفوقیت ہوگی**) ہواعلم۔**ب** (مشاہدہ والے) شرعی طریقہ پرعمل کیا جائے گا ھو اعلم .

(ھ) نیز فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خانصاحب (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۶۱۷ تا ۶۲۴) میں فرماتے ہیں ''**روئیت ومشاھدہ اِن سب کے ادراک کاسببِ کافی ھے اور یھی اس شریعتِ عامہ تامہ شاملہ کاملہ کے لائقِ شان تھاکہ تمام جھان کے لئے اُتری اور اُن میں اکثر وہ ھیں کہ دقائق محاسبات ھیئات وزیچ کی تکلیف انھیں نھیں دی جاسکتی** ،انا امۃ امیۃ لانکتب ولانحسب (ابی داؤد)۔۔۔پھرآگے چلکر فرمایا ''**صبحِ کاذب کے وقت انحطاطِ شمس میں (اھلِ فن) مختلف ھوئے ،کسی نے سترہ درجہ کہا، کسی نے اٹھارہ، کسی نے انیس بتائے ۔اور مشھور اٹھارہ ھے ،اور اسی پر شرحِ چغمنی نے مشی کی ،اور صبح صادق کے لئے بعض نے پندرہ درجہ بتائے ھیں** اسے علامہ

برجندی نے حاشیہ چغمنی میں بلفظ **قد قیل** نقل کیا اور مقرر رکھا اور اسی نے علامہ خلیل کاملی کو دھوکہ دیا کہ دونوں صبحوں میں صرف تین درجہ کا فاصلہ بتایا جسے ردالمحتار میں نقل کیا اور معتمد رکھا، حالانکہ **یہ سب ''ہوسات'' بے معنیٰ ہیں ،شرع مطہر نے اس باب میں کچھ ارشاد فرمایا ہی نہیں اس نے تو صبح کی صورتیں تعلیم فرمائی ہیں کہ صبح کاذب شرقاً غرباً مستطیل ہوتی ہے اور صبح صادق جنوباً شمالاً مستطیر** ،اور ہم اوپر کہہ آئے کہ ''**مقدارِ انحطاط جاننے کی طرف کسی برہانِ عقلی کو راہ نہیں**، ''**صرف مدار رویت**'' (مشاہدہ) **پر ہے اور** ''**رویت شاہد عدل**'' **ہے کہ** صبحِ کاذب کے وقت ۱۷ یا ۱۸ یا ۱۹ درجے اور صبح صادق کے وقت ۱۵ درجے انحطاط ہونا **اور** ''**صادق وکاذب میں صرف تین درجے کا تفاوت ہونا**'' **سب محض باطل ہے ---(آگے ڈگڑیوں پر مشاہدہ کی فوقیت کو وزن دار الفاظ میں بیان کرتے ہوئے خلاصۃً لکھتے ہیں)** ''تمام بیان سے تین باتیں واضح ہوئیں :(۱) **اصل مدار، رویت ہے ----** شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے **اسباب میں کوئی ضابطہ وحساب ارشاد نہ فرمایا** ،نہ عقل صرف مقدارِ انحطاطِ صبح بتا سکتی تھی (۲) **ہاں رویت نے وہ تجاربِ صحیحہ دئے** جن سے قاعدہ کلیہ ہاتھ آیا اور بے دیکھے وقت بتانا ممکن ہوا۔(۳) **ازانجا کہ یہاں جو قاعدہ ہوگا رویت ہی سے مستفاد ہوگا** کہ شرع وعقل دونوں ساکت ہیں **تو لاجرم جو قاعدہ ، رویت یا اس کے دئے ہوئے قوانین کی مخالفت کرے، خود باطل ہونا لازم کہ فرع جب تکذیبِ اصل کرے تو فرع باقرارِ خود کاذب ہے کہ اس پر مبتنیٰ تھا ،جب مبنیٰ باطل یہ خود باطل۔۔اھ**

مذکورہ چاروں حوالوں سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحبان نے یہاں کے مشاہدہ پر ہند کے مشاہدہ کو فوقیت دی! تو غور فرمائیں کہ ''جب یہاں کے لئے وہاں کے مشاہدہ کی کوئی حیثیت نہیں حالانکہ مفتی ظفر احمد کے جو فتویٰ ہیں ان کی عظمتِ شان یقیناً کئی گنا زیادہ ہونے کے ساتھ اس فتوے کی حیثیت کا اندازہ اِس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے فتاویٰ مجددِ دِز مانہ حضرت تھانویؒ کی نظرِ ثانی سے گزر کر ہی آگے جاتے تھے تو سوچیں کہ ڈگڑیاں چاہے وہ ۱۵ ہو یا ۱۸ یا اور کم وبیش! یہ تو ان نمازوں کے اوقات کے لئے مشاہدہ سے حاصل شدہ وقت ونتیجہ کی نسبت سے ''اندازی وتقریبی'' حیثیت کی ہی حامل ہے اور یہی شرعی حکم ہے یہی وجہ ہے کہ اسی کے مدِ نظر مفتی حضرات مشاہدات کو ڈگڑیوں پر فوقیت دیتے ہیں اور مشاہدات ہی پر ڈگڑیوں کی صحت وعدمِ صحت کو منحصر کرتے ہیں تو جب حال یہ ہے تو ہمارے مشاہدات سے اِن ڈگڑیوں کا بطلان تو بدرجہ اولیٰ شرعاً ثابت ہو چکا۔اس لئے ہمیں برِ صغیر ہند کے معمولا تو مشاہدات چاہے وہ علمائے دیوبند کی طرف سے ہو یا بریلوی وغیرہ علماء کی طرف سے ہو! انہیں ایک طرف رکھتے ہوئے ''محض شرعی اصول ونصوص'' پر ہی ہر مسئلہ میں مامور ومعمول بہا ہونا چاہیئے جیسے کہ خود اکابرینِ دیوبند وبریلی بھی ہمیں اسی کی تعلیم وفتویٰ بھی دیتے ہیں۔

اوقاتِ صلوٰۃ کے حوالہ سے مزید توضیح:

پاکستان جو کہ جغرافیائی طور پر خطِ استواء سے قریب کے ممالک میں

سے ہے جہاں سال بھر کے ایام کی موسمی حالات معتدل ہیں۔حضرت مفتی محمد شفیع و مفتی رشید احمد لُدھیانوی صاحبان رحمہم اللہ اور پروفیسر عبد اللطیف وغیرہ نے چند مشاہدے بھی کئے جن میں آپس میں موافقت کے بجائے مخالفت ثابت ہوئی جس کا تجزیہ ''پندرہ ڈگری پر صبح صادق وشفق اور ۱۸ ڈگری پر صبح کاذب یا اس کے برعکس ہونا سامنے آیا۔مخالفت وموافقت پر تفصیل ہماری کتاب ''برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت'' (از؛ ی مفتاحی) میں دیکھیں۔۔

(۲) جب ہم یورپ و برطانیہ جو کہ خطِ استواء سے کافی دور جانبِ شمال کے ۵۰ ڈگری سے اوپر شمالی عرض البلد کے علاقوں کی بات کرتے ہیں تو یہاں جغرافیائی طور پر موسم کے حالات حد درجہ غیر معتدل ہیں (اس لئے پاکستان، ہندوستان یا معتدل علاقوں کے مشاہدات (جو خیر سے چند اور ٹیسٹِنگ بنیاد کے حامل ہیں ان) پر یہاں قیاس نہیں کیا جاسکتا اور مفتی حضرات کے ساتھ ساتھ ماہرینِ فلکیات بھی یہی بات کہتے ہیں۔(یہاں تک کہ ماہرینِ فلکیات تو اس بات کا انکار کر رہے ہیں کہ ۱۸ درجات پر دکھائی دینے والی آسٹرونومیکل ٹوائی لائٹ ``Astronomicale Twilight`` روشنی صرف ۱۸ درجہ پر ہی دیکھی جاسکتی ہے ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ تو موسم کے حالات سے اثر پذیر ہو کر ۱۲ ڈگری سے لیکر مع ۱۸ ڈگر تک کے درمیان کے کسی بھی وقت میں دیکھی جاسکتی ہے) دیکھو ہوم پیج میں New derectory of Salat timing والا مضمون نیز ہماری کتاب Fajar & Esha and Twilight ۔

(۳) پاکستان کے لئے پروفیسر کاکا خیل کی بات کہ مفتی لُدھیانویؒ صبح صادق کے لئے ۱۵ درجات پر ''زور نہ دینے'' پر متفق ہوئے تھے، اس بات کی تائید ہمیں کسی اور ذریعہ سے یا آپؒ کے فتاویٰ سے بھی معلوم نہیں ہوئی! پھر بھی اگر یہ بات صحیح ہی مان لیں تب بھی اس کا تعلق وہاں کے معتدل علاقہ سے ہوسکتا ہے مگر یورپ و برطانیہ کے حالات وہاں کے مقابل قطعی طور پر مختلف ہیں اس لئے یہ ہمارے لئے ایک غیر مفید بحث ہے)

(۴) درجات زیرِ افق خاص کر ۱۵/۱۸ کے حوالہ سے عشاء و فجرین کی ابتداء پر بہت سے حضرات کی طرف سے آج تک بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر نہ صرف ہمارے اور عالم میں مختلف مشاہدات سے اور ماہرین کی طرف سے بھی یہ بات پایہ تکمیل کو پہونچ چکی ہے کہ ''آسٹرونومیکل ٹوائلائٹ کہ جسے ۱۸ زیرِ افق کی روشنی کہا جاتا ہے یہ صبح صادق کی روشنی کی ''شرعی تعریف'' پر صادق نہیں آتی (دیکھیں ہماری کتاب Fajar & Esha and Twilight میں ماہرین کی آراء)

(۵) مفتی تقی عثمانی صاحب کے حوالہ سے یہ بات کہ ''آپ جب برطانیہ آتے ہیں تو مغرب کے ساتھ ہی عشاء (جمع بین الصلوٰتین کرتے ہوئے) عشاء بھی فوراً پڑھ لیتے ہیں! (تو اصل حقیقت کا ہمیں پتہ نہیں مگر اسے اس پر محمول کر لینا کہ آپ کا یہ عمل اس لئے ہے کہ ''عشاء کا وقت معدوم ہونے پر آپ ایسا کرتے ہیں! تو اوّلاً یہ ایک خیالی بات ہے قطعی نہیں کہ واقعی مفتی تقی صاحب جمع بین الصلوٰتین کرتے بھی ہیں یا نہیں! اور ساتھ اس کی وجہ بھی یہی ہے! اگر بالفرض مان بھی لیں کہ آپ یقیناً ''جمع بین الصلوٰتین کرتے ہیں'' تو یہ احتمال بھی تو ہے کہ ''وقت کی معدومیت کے مفروضہ کے بجائے'' آپ ''مسافرت میں جمع بین الصلوٰتین کے مسئلہ پر عمل کر رہے ہوں جیسے مولانا علی میاں ندوی

ؒ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ سفر میں جمع بین الصلوٰتین کیا کرتے تھے)

(الف)یہاں ایک اہم واقعہ کوبھی مدِ نظر رکھاجائے؛

آج سے تقریباً پانچ سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے ایک دن باٹلے کے ایک عالم کا مجھ پر لندن فون آیا کہ ''یہاں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب ودیگر علماء موجود ہیں۔حضرت آپ سے فجر وعشاء کے اوقات کے مشاہدات کے سلسلہ میں بات کرنا چاہتے ہیں۔میں نے موصوف سے عرض کیا کہ آپ کے پاس میری اردو کتاب'' برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت'' ہوتو اس میں ضرورت کی خاص خاص جگہوں میں نشاندہی کرلیں اور پھر اسے حضرت کو پڑھنے کے لئے دیدیں تو مفید ہوگا!اس پر موصوف نے فرمایا کہ آپ کی یہ کتاب ایک ماہ پہلے ہم نے حضرت کو کراچی بھیج دی تھی اوراب حضرت آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں!تو میں نے موصوف سے کہا کہ ''فون پر میں بات نہیں کرسکتا''،اس پر ہماری بات پوری ہوگئی۔بعد میں جمعیۃ العلماء برطانیہ کے سرپرست حضرت مولانا عبدالرشید ربّانی صاحب جو اچانک اس مجلس میں وارد ہوئے تھے ان سے معلوم ہوا کہ انہیں پتہ چلا کہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب باٹلے میں موجود ہیں،میں ملاقات کے لئے چل دیا۔معلوم نہ تھا کہ باٹلے کے چند علماء مع مولوی یعقوب قاسمی حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب سے ۱۸ درجات پر عمل کی توثیق کے متعلق بات کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہیں۔بس میں دھونڈھتا ہوا حضرت کے پاس اس جگہ پہونچا تو دیکھا کہ یہاں چند علماء موجود ہیں۔درمیانِ کلام حضرت نے میری رائے سننے کے بعد فرمایا کہ ''میں تب تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا جب تک حزب العلماء یوکے کے ذمہ داروں سے مل کر اِس معاملہ میں تحقیق نہ کرلوں''۔اس پر آگے اس سلسلہ میں کوئی بات نہ ہوئی۔

(اب آگے کی بات بھی ملاحظہ فرمائیں)؛۔

(ب)اس واقعہ کے بعد کی بات ہے کہ ایک سفر میں حضرت کے حکم پر سینٹرل لندن میں مولانا موسیٰ کرماڈی صاحب اور میں نے ایک ہوٹل میں نے اسی موضوع پر آپ سے ملاقات کی۔میں اپنے ساتھ مذکورہ اپنی دو کتب بھی ساتھ لے گیا تاکہ بضرورت یہ حضرت کے اور ہمارے سامنے ہو۔کتاب کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے اول تا آخر پڑھ لیا ہے اس لئے ضرورت نہیں البتہ میں آپ سے دو باتوں کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں:(1)حزب العلماء یوکے کی ماتحتی میں ہونے والے سال بھر کے مشاہدات کی تفصیل (2)جن ایام میں مشاہدہ میں کامیابی نہ ملی اُن ایام کے اوقات کو کیسے سیٹ کیا گیا؟۔

ہم نے مشاہدات کی پوری تفصیل بیان کی جو ہماری اردو/انگلِش کتابوں میں بھی موجود ہے نیز جن ایام میں موسم کے حالات کی وجہ سے مشاہدات نہ ہوسکے ان ایام میں ''اوقاتِ عشاء وفجر'' کی ترتیب وتعیین فقیہ العصر حضرت تھانویؒ کی فقہ کتب امداد الفتاویٰ (جلداوّل کے صفحہ ۹۸)اور بوادر النوادر (ص ۴۲۹) کے مطابق ان ایام کے جانبین سے بالکل قریبی (اگلے اور پچھلے) دو دن کے مشاہدہ پر منتج ''فاصلۂ وقت'' کے مطابق دونوں تاریخوں کے درمیانی ایّام میں صعود وہبوط کے طریقہ پر'' وقتِ فاصلہ'' سے منٹوں سے کمی یا زیادتی کرتے ہوئے کی گئی۔

ہماری یہ ملاقات ڈیڑھ دو گھنٹہ میں اختتام پذیر ہوئی (مگر اس کے بعد سے اب تک حضرت کے کئی بار برطانیہ کے دورے ہوئے مگر مذکورہ

مسئلہ پر آپ کی طرف سے کوئی بات و بحث اس سلسلہ میں سامنے نہیں آئی اور اگر ہوئی ہو تو ہمیں معلوم نہیں مگر جہاں تک حالات کا تقاضہ ہے یقیناً ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے)۔

(3) البتہ سال بھر سے بھی زیادہ کا عرصہ ہوا پاکستان کے ایک صاحب کی ایک عجیب تحریر ہمیں کسی نے بھیجی (جو خالد شوکت صاحب کی ویب سائٹ پر اب موجود ہے) جس میں ۱۸ درجات زیرِ افق کے حوالہ سے عشاء و فجر کے اوقات کے خلاف بیان کرتے ہوئے ''مفتی صاحب اور علماء دارالعلوم کراچی میں یہ نمازیں ۱۵ زیرِ افق کے مطابق پڑھے جانے کا لکھ کر تنقید کی گئی ہے کہ ''مگر معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ یہ حضرات خود ۱۵ پر عمل کر رہے ہیں مگر لوگوں کو اس طرح ۱۵ ڈگری

پر عمل کے لئے کھل کر نہیں بتلاتے کہ یہی صحیح ہے اور یہ کہ ۱۸ ڈگری والا پرانہ ٹائم غلط ہے تا کہ لوگ بھی اس پر عمل ترک کر کے اپنی نمازیں ۱۵ والے صحیح وقت پر پڑھیں!

(۲) جہاں تک حزب العلماء یو کے کی ماتحتی میں مشاہدات کا تعلق ہے کہنے والوں نے تو اوّلاً یہاں تک تہمت لگائی و جھوٹ پھیلایا کہ یہ مشاہدے کئے ہی نہیں گئے بلکہ مشاہدات کے نام پر یہ ایک ''خیالی خاکہ'' ہے! جسے مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ کی طرف سے ان اوقات پر بیانات و تفصیل کے ضمن میں ''گھڑ لیا گیا ہے'' (لاحول ولاقوّۃ الاّ باللہ العلی العظیم)، اگرچہ بعد میں حقائق کے سر چڑنے پر جھوٹ وافواہوں کی کوئی حیثیت نہ رہی تو جہاں انہیں تسلیم کیا گیا وہیں ان میں تجاہلِ عارفانہ سے قسم قسم کی خامیاں نکالنے کا ایک اور مِشن جاری کیا گیا جو آج بھی جاری ہے جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔

سچ اور حقیقت یہی ہے کہ حزب العلماء یو کے کے یہ مشاہدات کھلے ذہن سے کئے گئے حتیٰ کہ کسی بھی ڈگڑی کی توثیق، تردید یا موازنہ کرنے کا خیال و تصوّر تک بھی سامنے نہ رکھا گیا جیسے کہ برِصغیر کے ہمارے بزرگانِ دین کے خصوصاً پاکستان میں چند ٹیسٹنگ مشاہدات اسی نکتہ پر کئے گئے تھے۔ ہماری طرف سے ایک خاص اہتمام یہ رکھا گیا تھا کہ گھڑی سے مرتّب شدہ پچھلے مروّجہ اوقات کو مدِّنظر رکھ کر اس سے کافی پہلے ہم جائے مشاہدہ پر پہونچتے رہے۔ لوگ ہمیں پوچھتے بھی رہتے کہ کونسی ڈگڑی پر یہ مشاہدات فِٹ ہو رہے ہیں، ہوئے؟ تو ہم چونکہ حقیقۃً اس سے انجان تھے یہی جواب دیتے رہے کہ ہمیں نہیں معلوم!

البتہ ہمارے مشاہدات پورے ہونے اور علماء کے اجلاس میں فیصلہ ہو جانے کے کافی عرصہ بعد ایک صاحب نے ہمیں خود ہی بتلایا نیز ڈاکٹر خالد شوکت صاحب نے بھی اپنے تجزیہ میں لکھا جس سے معلوم ہوا کہ ''یہ مشاہدات کوئی خاص ڈگڑی پر منحصر ہونے کے بجائے ''ساڑھے بارہ درجات زیرِ افق سے لیکر ساڑے ۱۶ زیرِ افق کے درمیان مختلف ایام میں مختلف نتائج و درجات کے حامل ہیں''۔

آج بھی ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ یہ کتنے درجات پر ہے؟ اس لئے کہ دین میں اِن درجات کی اِثباتاً، نفیاً اور تائیداً کوئی ''شرعی حیثیت نہیں'' یہ تقریبی و اندازی حسابات ہیں جنہیں پچھلی صدیوں میں اہلِ فن کی طرف سے جو کچھ کہا گیا، فقہاء نے بھی نقل کیا اور نقل در نقل ہوتے آج ہمارے سامنے ہے، ہم نے بھی انہیں عمومی معلومات و مقابلتی تناظر میں پیش کر دیا اور مستقبل میں بھی ایسا چلتا رہے گا البتہ اسطرح کتابوں میں ذکر ہوتے ہوئے ان ڈگڑیوں کے بیان ہونے سے ان کی حیثیت ''مستقِلاً شرعی و نصی'' کی سی ہرگز نہیں ہو جاتی جیسے کہ

مختلف مکاتب کے مفتیانِ کرام کے فتاویٰ بھی ہماری کتب میں بیان ہوئے !اور مشاہدات کا خلاف ہونے پر وہ مردود کہی گئیں چاہے کوئی بھی ڈگڑی ہو اور یہی اصول قیامت تک رہے گا کیونکہ نصوص سے اصل تو ان اوقات کی علامات کے مشاہدات پر منتج فاصلہ ہی ہے جیسے کہ ہم نے اپنی کتب میں ان کی اس حیثیت کو مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں اوجاگر بھی کر دیا ہے۔

(۷) ہم نے اپنی کتب خاص کر اردو کتاب ''برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت'' میں مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کے حوالہ سے جو تحریرات قارئین کے سامنے رکھی ہیں ان کے متعلق ص ۱۰ پر مقدّمہ کے اختتام پر بریکیٹ نمبر (۲) کے ماتحت صاف لکھدیا ہے کہ'' فتاویٰ کی عبارات بعینہ مفتی حضرات کی ہیں'' اور واقعی بات یہی ہے لہٰذا'' صاحبِ تحریر کے منشاء کے خلاف حوالہ میں'' مِس کوٹیشن (وکتر بیونت) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور قارئین کی طرف سے جب اِن عبارات کو گہری نظر اور غیر جانبدارانہ کھلے ذہن سے دیکھا جائیگا تو'' صاحبِ تحریر کیا کہنا چاہتا ہے'' اور اسے نقل کرنے والے نے'' کیا سمجھا'' ضرور سامنے ہوگا تب مِس انڈر اِسٹوڈ (وعدمِ فہم) کا سوال بھی کسی کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔

(۸) یہ مسائل یقیناً عوام میں افواہیں پھیلا کر اوچھالنے کی حامل نہیں کہ اس سے دین، دینی مسائل اور علمائے دین کے وقار کا مسئلہ وابستہ ہے نیز علماء پر یہ بات واضح بھی ہے کہ یہ اختلافات نئے بھی نہیں اور جہاں احتیاط کی بات ہے تو احتیاط اپنی جگہ بری چیز نہیں کہ'' ایک شخص سحری جلد بند کر دے اور فجر کی نماز دیر سے پڑھے'' مگر جب اجتماعی طور پر غور کیا جائیگا تو مسئلہ کا یہ حل عام البلویٰ کے خلاف ہے کہ کیا لوگ جلد سحری بند کر کے فجر کے لئے دوبارہ سو کر اُٹھیں! یا پھر لوگ اسی سحری کے اختتام پر بے وقت فجر پڑھ کر سو جائے! سوچنے کا مقام ہے! تو اجتماعی مسائل میں احوط پر عمل کو فرضیت وقطعیّت کا درجہ دیا جانا حدودِ دینیہ میں شرعاً سہولتوں کے اختیار کرنے کے بجائے عوام کو تکلیفات میں مبتلاء کرنا ہے جبکہ لفظِ ''احوط'' اپنے مدِّ مقابل کے جواز ہی کی وضاحت کو لئے ہوئے ہے نہ یہ کہ اس جائز کو ناجائز بتلانے کے لئے ہے۔ نیز فجر وسحری کے درمیان تفریقِ وقت اور جواز کی حامل'' احوط وغیر احوط کی بحث'' اور اسی پر عمل کرنے میں فرضیت کی ادائے گی کے صحیح ہونے نہ ہونے کی حد مقرّر کر لیجائے تو پھر اسلاف کے عمل کو کیا کہا جاے گا! بلکہ جب ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (جن کا عمل امت کے لئے نمونہ ودلیل ہے) کو دیکھتے ہیں کہ ان کا عمل اس حوالہ سے کیا تھا تو اہلِ علم علماء یقیناً صحابہؓ کرام کے مابین احوط وغیر احوط کے اس اختلاف سے بے خبر نہیں کہ فجر کی نماز باجماعت کے بعد بھی بعض کا سحری کا کھانا کھاتے رہنا احادیث میں موجود ہے جو فجر کی روشنی کے تبیّن کی ''عینی'' تعیین پر سحری کے اختتام میں اختلاف پر مبنی تھا

(۹) جیسے کہ ہم بار ہا ذکر کر چکے کہ فلکیاتی علوم مابعد اسلام کے نہیں بلکہ یہ ماقبل اسلام و نبی مسیح علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام سے بھی پہلے سے جاری ہیں بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں کہ اس کی ابتداء حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے دنیا میں آتے ہی شروع ہوگئی تھی جس کا اظہار ہمیں آپؑ کے دو بیٹوں میں جھگڑے اور ایک کے دوسرے کو قتل کر دینے اور مقتول کی نعش کے بگاڑ و تدفین کے حوالہ سے قاتل کی پریشانی اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کوّے کو مردہ کوّا مٹی میں چھپاتے دِکھا کر سکھلایا کہ تو بھی گڑھا بنا اور بھائی کی نعش کو دبا دے تا کہ اس کی تدفین کے ساتھ دوسرے نقصانات سے بھی بچاؤ ہو! نیز جیسے کہ پیچھے بیان ہوا کہ یہ علم اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبر حضرت ادریس علیہ السلام پر نازل کیا تھا اگر چہ اس پر کوئی واضح ثبوت ونصوص موجود نہیں اسی وجہ سے علمائے دین وحضرت تھانویؒ نے اس روایت کو اہمیت نہیں دی۔

ایک تازہ کاوش:

اس وقت ہمارے سامنے ایک بریلوی عالم ممدوح کی ایک تحریر ۲۰ صفحات پر مشتمل بنام ''روزہ اور نمازِ فجر کے وقت کی ابتداء'' موجود ہے جس میں موصوف نے کاوش کر کے ۱۸ زیرافق پر ان نمازوں کے اوقات ہونے کو کئی حوالہ جاتی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، موصوف کا اندازِ بیان یقیناً قابلِ داد ہے کہ اس سے قبل بعض کی تحریرات سنجیدگی ومطانت سے پرے محض مفروضات اور نفسیات کی سوچ کے مرہون بنا کر ''بے تکے الزامات، بہتان تراشیاں، جھوٹ، کتر بیونت اور حوالہ جات کو غیر منطبق پر چسپاں کرتے ہوئے عالمِ دین کی شان کے برخلاف عیوب سے مزیّن کی گئی جس سے سنجیدہ طبقۂ علماء کے سر شرم سے جھک گئے کہ ایسا انداز حقیقی عالمِ دین ہرگز اختیار نہیں کرسکتا کیونکہ یہ اپنے موضو

ع کو ''حدودِ ادب وشرع'' میں رہ کر بجائے مفروضات کے مثبت حقائق سے بات کرتا ہے، ایسے ہی کبھی کبھار اخباری بیانات کی جھلک بھی اسی قسم کی حامل ہوتی رہتی ہیں جو خصوصاً طبقۂ علماء کے وقار اور سنجیدگی کے خلاف ہے، پھر یہ مسائل سنجیدگی کے بجائے اشتہار بازی کے حامل نہیں، پھر عوام الناس کے جذبات یقیناً ان باتوں سے انگیختہ ضرور ہوتے ہیں مگر ان بیچاروں کو ایسے مسائل میں الجھانا یہ اس کا حل نہیں اور ویسے بھی یہ ذمہ داری علماء کی ہے کیونکہ مسائل کی تہہ میں جانا اور نصوص وفقہ کو سمجھنا یہ علمائے دین ہی کا کام ہے درانحالیکہ بعض علماء تک بھی ان مسائل کو سمجھنے سمجھانے کی دسترس سے معذور ہوں۔ بہرحال اس کتابچہ میں ذکر کردہ حوالہ جات کا جہاں تک تعلق ہے انہیں اختصارا ً ہم نے اپنی کتب میں بھی ضمناً بیان کیا ہے البتہ موصوف نے کافی سارے حوالے جمع کر کے اپنے مدّعیٰ کو بیان کرنے کی اپنے طور ایک مخلصانہ کوشش کی ہے۔

ھمارا تجزیہ: ذیل میں مذکورہ کتابچہ کے حوالوں پر ہمارا تجزیہ جہاں قارئین کی نظر ہے وہیں موصوف کی تحریر میں ایک حوالہ جو ڈاکٹر خالد شوکت صاحب کے حوالہ سے ہے اس پر بھی آگے بات کی جائے گی، نیز ایک اور حوالہ جو دو ماہ قبل ہمیں کسی نے بھیجا ہے جس میں ۱۸ درجہ زیرِ افقکے مطابق صبح صادق کے اوقات کے خلاف ان حوالہ جات سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے جو ''احسن الفتاویٰ'' کے بعد اردو تحریرات میں شاید پہلی کاوش کہی جاسکتی ہے۔

بہرحال جہاں تک موصوف کے بیان کردہ حوالہ جات کی نسبت کا تعلّق ہے ان کا انکار نہیں البتہ جہاں ان پر عمل کا تعلق ہے ہمارے اسی جاری مضمون سے نیز ہماری کتب سے بھی قارئین کے سامنے وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ **نہ صرف دیوبندی مفتیانِ کرام بلکہ بریلوی مفتیانِ کرام کے ساتھ ساتھ فاضل بریلی مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم جو (معتدل علاقہ ہند میں صبحِ کاذب کے لئے 33 اور صادق کے لئے 18 ڈگری کے قائل ہیں** (جیسے کہ ہماری کتاب ''فلکیات وشرعی ثبوتِ ہلال'' ایڈیشن رجب ۱۴۳۰ھ کے ص ۹۲ پر بھی یہ حوالہ موجود ہے) مگر باوجود اس کے آپ ''اصولاً'' حساب کے بجائے مشاہدہ ہی کو ترجیح دیرہے ہیں جس کی بھرپور تائید ان کے اپنے خود کے فتاویٰ میں موجود ہے **جس کا مطلب یہی ہے کہ مشاہدہ سے اگر ۱۸ ڈگڑی والا قول بھی غلط ٹھہرتا ہے تو بے شک ہوسکتا ہے! خاص کر جب غیر معتدل علاقہ یورپ کے برطانیہ میں ''نمازوں کے اوقات کی بات ہو تو یقیناً یہاں پر معتدل علاقوں کے بہ نسبت فرق ہونے کا بہت قوی امکان ہے بلکہ ماہرین بھی اس فرق کے قائل ہیں۔**

لہٰذا ہمارے مشاہداتی ''اوقات فاصلے'' اِن ڈگریوں کے مقابل مختلف ہیں تو یہ فاضلِ بریلی کے فتاویٰ کی رو سے بھی بالکل صحیح وشرعی ہیں اور ڈگری اوقات غلط! (چاہے وہ کوئی سی بھی مخصوص ڈگری ہو)،

فاضل بریلی کا ذیل والا یہ فتویٰ دوبارہ نقل کیا جاتا ہے؛

آپ فرماتے ھیں ؛ (پانچوں نمازوں کے اوقات کے) ادراک کا مدار رویت پر (یعنی) **مشاھدہ پر ھے**۔ان میں کوئی ایسا نہیں جو **بغیر مشاھدہ** ''مجرّد'' کسی حساب یا قانونِ عقلی سے ''مدرک'' ہوجاتا (ہو!)۔

''**روئیت ومشاھدہ** اِن سب کے ادراک کا سببِ کافی ہے **اور یھی اس** شریعتِ عامہ تامہ شاملہ کاملہ کے لائقِ شان تھا کہ تمام جہان کے لئے اُتری **اور اُن میں اکثر وہ ھیں کہ دقائق محاسبات ھیئات وزیج کی تکلیف انھیں نھیں دی جاسکتی** ،انا امة امية لا نكتب و لا نحسب (اِبی داؤد)۔۔۔پھر آگے چلکر فرمایا''**صبح کاذب کے وقت انحطاطِ شمس میں** (اھلِ فن) **مختلف ھوئے** ،**کسی نے سترہ درجہ کھاکسی نے اٹھارہ**، **کسی نے انیس بتائے**۔**اور مشھور اٹھارہ ھے** ،**اور اسی پر شرحِ چغمنی نے مشی کی** ،**اور صبح صادق کے لئے بعض نے پندرہ درجہ بتائے ھیں** ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔، حالانکہ ''یہ سب ہوسیات'' **بے معنیٰ ھیں** ،**شرع مطھرنے اس باب میں کچھ ارشاد فرمایاھی نھیں** اس نے تو صبح کی صورتیں تعلیم فرمائی ہیں **کہ صبح کاذب شرقاًغرباًمستطیل ھوتی ھے اور صبح صادق جنوباً شمالاً مستطیر** ،اور **ھم اوپر کھہ آئے کہ** ''**مقدارِ انحطاط جاننے کی طرف کسی** ''برہانِ عقلی کو راہ نہیں''، ''صرف مدار **رویت**'' (مشاہدہ) **پرھے** اور ''رویت شاہد عدل'' ہے کہ صبحِ کاذب کے وقت ۱۷ یا ۱۸ یا ۱۹ درجے اور صبح صادق کے وقت ۱۵ درجے انحطاط ہونا **اور** '' صادق و کاذب میں صرف تین درجے کا تفاوت ہونا'' **سب محض باطل ھے** ۔۔۔۔(آگے چلتے ہوئے آخر میں) آپ نے فرمایا؛۔۔۔۔**یھاں جوقاعدہ ھوگا روئیت ھی سے مستفاد ھوگا** کہ شرع وعقل دونوں (کوئی خاص قاعدہ درجہ، ڈگری بیان کرنے سے۔ی م) ساکت ہیں تو لاجرم **جوقاعدہ** ، **روئیت یااس کے دِئے ھوئے قوانین** (منتج فاصلہءوقت۔ی م) **کی مخالفت کرے**، خود (اس کا) باطل ہونا لازم ،**کہ فرع جب تکذیبِ اصل کرے توفرع** (یعنی مخصوص ڈگری) باقرارِ خود کاذب ہے **کہ اس** (**مشاھدہ**) **پر مبتنیٰ تھا** ، جب مبنیٰ (مشاہدہ سے) باطل یہ (مخصوص ڈگری اور اس کا وقت) خود باطل،۔۔۔۔۔

آگے فرمایا: **یہ قاعدہ** '' کہ صبح رات کا ''ساتواں حصہ'' ہوتی ہے **اُنھی قواعدِ باطلہ فاسدہ سے ھے کہ** '' رویت'' **وقوانینِ عطیئہ رویت** ، بالاتفاق اس کے بطلان پر شاہد ہیں ۔واللہ تعالی اعلم

فاضل بریلی کے مذکورہ فتوے سے دو باتیں واضح طور پر ثابت ہوئیں (1) درجات وڈگری کا مدار و بنیاد ''مشاہدہ''

ہے جب ڈگڑی کا وقت مشاہدہ کے خلاف ہوا تو چونکہ ڈگڑی وقت کی بنیاد ''مشاہدہ والا وقت وفاصلہ ہے'' اس لئے ڈگڑی والا وقت باطل ہے (2) نیز رات کے ساتویں حصّہ کو بھی مدارِ وقت بنانا باطل ہے کیونکہ سبع اللیل کا بطلان ''مشاہدہ اور اس سے منتج فاصلۂ وقت سے ہی ثابت ہوگیا اھ

قارئین کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ اس مضمون میں چونکہ ہمارا مطمحِ نظر ''مشاہدات کے وقت'' کی شرعی حیثیت کو ثابت کرنا ہے جس کیلئے رات کے ساتویں حصّہ کی بحث سے ہمارے موضوع کا کوئی جوڑ نہیں اس لئے اس بحث سے منسلک علماء کے اقوال اور ان پر تحقیق کے بیان سے پہلوتہی کرتے ہوئے صرف اس بات پر ہم اکتفاء کرتے ہیں کہ ''ہم مشاہدات کو اپنے موقف کی تائید میں مضبوط دلیل کے طور پر اوجاگر کررہے ہیں لہٰذا جن راتوں کے حوالہ سے سبع اللیل والی بات واوقات کا کہا جاتا ہے ان راتوں میں بھی مشاہدہ کا ہونا اس مفروضہ ہی کو رد کردیتا ہے (اور جس کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ ان راتوں میں اوقات معدوم ہیں حالانکہ ایسا نہیں)، کیونکہ مشاہدات سے یہ مفروضات اور ان پر مبنی'' طریقے، بشمول سبع اللیل'' سب باطل ہوچکے (دیکھئے ہماری کتب)۔

اخیری دوباتیں: موصوف مولانا نے ۱۸ زیرِ افق کو ثابت کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد شوکت صاحب کا ایک ای میل حوالہ بھی یہ لکھتے ہوئے دلیلاً پیش کیا ہے کہ'' ماہرِ فلکیات ڈاکٹر خالد شوکت صاحب نے سید شبیر احمد صاحب کا کاخیل کے مشاہدات کی تصدیق کی ہے'' ذیل میں وہ حوالہ یہ ہے جس میں کا کاخیل صاحب کے ای میل کے جواب میں ڈاکٹر خالد شوکت صاحب لکھتے ہیں؛

Yes,I read your email carefully and it showes exectly the same scnario that I have found both for Subhe Sadiq and disappearance of red Shafaq.For Subhe Sadiq my findings are similar to yours and for Isha (disappearance of red Shafaq between 12.5 and 16.5 degree) If you see my culculation for Islamabad for example,it should effect the same (more or less,but very close)

From shaukat@moonsighting.com to sshabbir@yahoo.com wednesday 25 July 2007,18:17:16

مذکورہ ای میل حوالہ کے ضمن میں عرض ہے؛ جیسا کہ ہم پیچھے ذکر کرچکے ہیں کہ ''ہمیں ہمارے مشاہدات کے حوالہ سے ان کے مروّجہ ڈگڑیوں میں سے کسی خاص ڈگڑی پر ہونے نہ ہونے کے حوالہ سے عرصہ تک کوئی معلومات نہیں تھی اور نہ ہی ایسی کسی ضرورت کو محسوس کیا گیا اور نہ ہی اسے معلوم کرنے کی شرعاً ضرورت تھی! مگر بعد میں کسی صاحب نے عرصہ بعد ہمیں بتایا نیز ڈاکٹر خالد شوکت صاحب کی بھیجی ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ یہ مشاہدات درجات کے مدِ نظر ''ساڑھے بارہ درجات سے ساڑھے سولہ درجات کے درمیان ہے'' اور اسی کے مثل اوپر والی تحریر کی بریکیٹ میں بھی (disappearance of red Shafaq between 12.5 and 16.5 degree) شفقِ احمر کی غیبوبت کے حوالہ سے یہی عبارت مذکور ہے۔

موصوف ڈاکٹر صاحب کی طرف سے محترم کاکاخیل صاحب کو جواباً یہ لکھنا کہ؛..... it showes exectly the same scnario that I have found'' اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید کاکاخیل صاحب نے کسی خاص درجہ پر وقت کی تردید میں ''ظاہر ہونے والے صبح کے لئے مشاہدہ یا صبح کے متعلق غلط ثابت ہونے والے اختلاف'' کو لکھا تو ڈاکٹر صاحب نے ''اس قسم کے اختلاف کی'' تائد کرتے ہوئے اپنی تحقیق

سے نہ صرف صبح بلکہ عشاء کی شفقِ احمر کے ایسے ہی ثابت ہونے والے اختلافی نوٹ وتحقیق کو جواباً لکھا۔ بہرحال جب تک جانبین سے صاف الفاظ میں بیان کردہ کسی تحریر کو دیکھا نہیں جاتا اس تحریر سے یہ ثابت کرنا کہ ''اس میں ۱۸ درجہ پر صبح صادق کی تائد کی گئی ہے سمجھ سے بالاتر ہے'' البتہ ڈاکٹر صاحب کا اپنی ویب سائٹ پر معتدل علاقوں میں مخصوص درجات کی تائد کا بیان ضرور ہے

البتّہ اس تحریر میں کاکا خیل صاحب کے مشاہدات پر نتیجۃً ۱۸ ڈگری پر صبح صادق ہونے کا کہیں ذکر نہیں اور ڈاکٹر صاحب کی ذیل کی تحریر سے جو معلوم ہو رہا ہے وہ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے اسلام آباد کے لئے جو کلکولیشن کیا گیا ہے وہ کاکا خیل صاحب کی طرف سے جو لکھا گیا اس کے مثل کم وبیش، زیادہ قریب ہونے کو بتلایا گیا ہے مگر اس سے خاص ۱۸ ڈگری کی کھلی تائد کا پتہ نہیں چلتا نیز ہماری اس بات کی تائد موصوف ڈاکٹر صاحب کی اپنی ویب سائٹ کے Prayer صفحہ کی ذیل کی تحریر سے بھی ثابت ہو رہی ہے، ملاحظہ ہو؛

Observations of Subh-Sadiq and disappearance of Shafaq at various locations on earth have confirmed that it is not right to calculate Fajr & Isha, assuming any fixed degree (whether 18° or 15°) or any fixed minutes (like 90 minutes or 75 minutes).

اس تحریر میں صاف لکھا ہے کہ ''دنیا میں مختلف جگہوں کے مشاہدات سے ثابت ہو چکا کہ فجر اور عشاء کے اوقات کو کسی خاص ڈگری پر سمجھتے ہوئے (چاہے وہ ۱۸ ڈگری ہو یا ۱۵ ڈگری) یا منٹوں میں کوئی خاص وقت طے کرنا (مثلاً ۹۰ منٹ یا ۷۵ منٹ کا فاصلہ مقرّر کرنا' سورج کے طلوع یا غروب سے پہلے') **یہ سب صحیح نہیں ہے** اھ۔

آخری بات؛ اب مولانا صاحب موصوف کی طرف سے پاکستان میں ۱۸ ڈگری کی جو تائد کی گئی اس کے ضمن میں مزید ملاحظہ ہو؛

یہ بات موصوف سمیت بہت سے حضرات کو معلوم ہے کہ ہم نے اپنی کتاب ''برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت۔ ازی م'' میں پاکستان کے حوالہ سے ''مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستانؒ، مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ، اور پروفیسر عبدالطیف صاحب'' کے مشاہدات اور اس پر تفصیلی بحث احسن الفتاویٰ سے ذکر کر دی گئی ہے جسے دوبارہ یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ مختصراً یہ کہ ''ان مشاہدات سے نہ صرف ۱۸ ڈگری پر صبح صادق کے شروع ہونے اور بعد غروب آفتاب شفق ابیض کے اختتام کا بلکہ ہمیشہ کسی بھی مخصوص ڈگری پر ہونے کا غلط ہونا ثابت ہوا ہے جیسے کہ اسے ہماری مذکورہ کتاب میں واضح کر دیا گیا ہے اسے وہیں دیکھیں، البتہ یہ نئی تحقیق بھی دیکھیں

مولانا شوکت علی صوابی حفظہ اللہ۔ موصوف مولانا شوکت علی صوابی کے دو وارد مضامین ہمارے سامنے ہیں جو قریباً دو ماہ ہوئے ہمیں موصول ہوئے؛ (۱) کشف السّتر عن اوقات العشاء والفجر '' ہے جو ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے (۲) دوسرا مضمون ''مسلکِ جمہور '' کے نام سے ہے جو ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

ہمارے نزدیک ان مضامین کی جو خصوصیت ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ یہ مضامین ۱۸ زیرِ افق کے برخلاف ۱۵ زیرِ افق کے درجات کو صبح صادق کے لئے اصح واقرب بالمشاہدات ہیں کیونکہ یہ اختلاف معتدل علاقوں کے ضمن ہے نیز ہمارے برطانیہ کے عشاء وفجر کے مشاہدات سینہ صرف یہ دونوں بلکہ کسی بھی مخصوص دگڑی کا کوئی واسطہ نہیں البتہ جو خاص بات ان مضامین میں ہے وہ یہ ہے کہ مولانا شوکت علی صاحب

نے نہ صرف پروفیسر عبداللطیف صاحب بلکہ اور بہت سارے ۱۸ کے قائلین خصوصاً محترم شبیر احمد کاکاخیلکی تحقیق کے مدِ مقابل ہر کسی کی تحقیق وتحریر کے مقابل بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں جن میں موصوف نے اس اختلاف کے مدِ نظر ۱۸ کی تردید میں نہ صرف پرانے بلکہ مزید نئے حوالہ جات خاص کر'' ماہرینِ فن کی تحریرات سے اپنے مصدوق کے مقابل ۱۵ ڈگری کا ردفرما کر پرانے حولہ جات سے خاص کے بیرونی کے حوالوں میں جو کتر بیونت یا اسے سمجھنے کی غلطیاں کی گئی ہیں انہیں خوب واضح اور عام فہم زبان میں بیان کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اب تک احسن الفتاویٰ میں حضرت مفتی رشید احمد لُدھیانویؒ کا اس ضمن میں جو تحقیقی مقالہ ورسالہ ہے اور جسے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ہم نے سفارش بھی کی ہے کہ اسے انہاک سے پڑھا جائے یقین مانئے مذکورہ یہ دونوں مضامین اس سے اگر زیادہ نہیں تو اس سے کم بھی نہیں ۔ہم اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں سے گذارش کریں گے کہ وہ ان مضامیں کو اپنے مطالعہ میں رکھیں۔ یقیناً اس سے مزید ہمارے پاس الفاظ نہیں جو مولانا شوکت علی کی اس کاوش کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے خاص کر موصوف نے اپنے نظریہ وتحقیق کو مدِ مقابل کے سامنے نہایت ہی مہذبانہ انداز میں پیش کیا ہے اس لئے ہم اپنے اس تجزیہ کے زیرِ نظر ۱۸ درجہ کی تائد والی مولانا موصوف کی جس تحریر پر روشنی ڈالے چلے آئے ان سے یہی التماس کریں گے کہ وہ بھی اسے دیکھ لیں۔

سحری اور فجر کاوقت ،احوط واوسع والی بحث:

فقہاء ومفتیانِ کرام نے سحری کے اختتام اور فجر کی نماز کی ابتداءئی وقت کے حوالہ سے سیر حاسل بحث کی ہے اور احادیث میں'' تبیّن فجر'' کے ضمن میں صحابہ کرام کے اقوال واعمال موجود ہیں کہ وہ گھروں اور راستوں کو دکھائی دینے والی روشنی کو''تبیّنِ فجر'' مانتے تھے۔

حضرت مولانا یوسف بالنّوریؒ تبیینِ فجر کے متعلق اِرشاد فرماتے ہیں کہ فتاویٰ ہندیہ (عالم گیری) میں ہے کہ روزہ دار کو صبح کے پھیلنے تک کھانا جائز ہے اور شمس الائمہّ حلوانیؒ بھی اِسی کے قائل ہیں البتّہ وہ اوّل فجر میں نہ کھانے کو تو اَحوط سمجھتے ہیں اور اُسکے پھیلنے تک کھانے کو اوسع جانتے ہیں،اور **اکثر علماء اوسع والے قول کا کھتے ھیں** یعنی صبح کے پھیلنے تک روزہ میں کھا پی سکتے ہیں (معارف السّنن ج۵ص۳۲۳)

حضرت مفتی محمّد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں ؛بعض صحابہ کرامؓ کے اَیسے واقعات بعض کہنے والوں نے اِس طرح بیان کیا کہ سحری کھاتے ہوئے صبح ہوگئی اور وہ بے پروائی سے کھاتے رہے، یہ اِسی پر مبنیٰ تھا کہ صبح کا یقین نہیں ہوا تھا اِس لئے کہنے والوں کی جلد بازی سے متاثرنہیں ہوئے.(معارف القرآن جلداوّل ص۴۵۴)

معلوم ہوا کہ روزہ میں کھانا پینا بندھ کرنا کسی ڈگری پر منحصر نہیں بلکہ تبیّنِ فجر کے مشاہدہ اور اس کے مطابق وقت پر منحصر ہے اور صحابہؓ کے ایسے واقعات سے یہی ثابت ہوا کہ صحابہؓ کے درمیان بھی یہ اختلاف ہوا کہ بعض دوسروں کی نظر میں فجر ہوجانے کے بعد بھی کھاتے پیتے رہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علماء نے جن جن ڈگریوں پر اپنے طور اطمینان کا اظہار کیا مگر دنیا کے دیگر تجربات ومشاہدات کی طرح یہاں برطانیہ جیسے غیر معتدل موسم والے علاقے کے مشاہدات کے مطابق فجر وعشاء کے اوقات میں واضح فرق ثابت ہوا تو یہ صحابہ کرامؓ کی مذکورہ مثالی تائید میں مزید اضافہ ہوکر نتیجہ یہی نکلا کہ'' اجتماعی طور پر مسلمانوں کو احوط واوسع کے نام پر ۱۵ پر امساک اور

۱۸ پر فجر کے اوقات کی ذہن نشینی، مشاہدات میں شکوک وشبہات اوران میں بحث ومباحثہ کا لامتناہی شواء بنی اسرائیل کی گائے کی طرح اسے معمّہ بنانے کے مترادف ہے ہاں انفرادی طور پر اگر کوئی سحری جلد بندھ کردے تو اسے کون روکتا ہے

حضرت مولانا مفتی محمّد فرید صاحب حفظه الله (دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ کھٹک پاکستان) نے ہمارے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ''یہاں (پاکستان میں) بھی اندازہ مشاہدہ کے خلاف ہے.(اس لئے) درجات کو بالائے طاق رکھو'' معلوم ہوا کہ ڈگریوں کے حساب سے اِن اوقات کو ترتیب دینے سے غلطی ہونے کا احتمال ہے اسی لئے آپ مدّ ظلّہٗ بھی درجات کو بالائے طاق رکھ کر مشاہدہ کے اوقات پر عملکا کہہ رہے ہیں۔

ایک صاحب نے **مولانا سعیداحمد پالنپوری حفظه الله** کا فتویٰ نقل کیا ہے، اِس فتوے سے بھی ہمارے مشاہدے اور صبحِ صادق کے تبیّن کی تائید ہی ہوتی ہے جیسے کہ اوپر ذکر کردہ معارف السّنن کی عبارت بھی مئویّد ہے،

مفتی سعید صاحب فرماتے ہیں کہ ''روزوں کی اِبتداء فجرِ حقیقی سے کرنا احوط اور تبیّنِ فجر سے اوسع ہے'' اِسی لئے آپ ''انتشارِ صبح'' والا قول اختیار کرنے کو فرماں رہے ہیں اور ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ ''ہر مسلمان ہر جگہ ہر وقت فلکی حساب سے استفادہ نہیں کرسکتا'' اِسی وجہ سے **شریعت میں کسی حکم کا مدار فلکی حسابات پر نہیں رکھا گیا بلکہ عام مشاہدہ پر رکھا گیاھے** .(مثلاً اوقاتِ صلوٰۃ رمضان وعیدین کا تعیُّن، روٴیتِ ہلال حج وغیرہ ی م) آپ مزید فرماتے ہیں کہ ''**صبحِ صادق کی تعیین میں روزوں کا مبداء** (سحری کا اختتام وفجر کی ابتداء۔ی م) **متعین کرنے میں علمائے فلکیات سے مشورہ نہیں لینگے** بلکہ ''ماخذ شرع'' (قرآن وسنت) سے استفادہ کرینگے اور ''اصولِ موضوعہ'' (قرآن وسنت کے احکامات پر مبنی فقہی اصول۔ی م) کی روشنی میں فیصلہ کرینگے'' اھ۔

بہرحال فتاویٰ عالمگیری، حضرت مولانا یوسف بالنوریؒ، مفتی محمّد شفیع صاحبؒ اور مفتی سعید صاحب پالن پوری کے مذکورہ حوالہ جات ووضاحت سے معلوم ہوا کہ ''رزوں کی اِبتداء تبیّنِ فجر'' سے ہے.

فلکیات کے متعلق تحری ملاحظہ فرمائیں؛

کیا چاندوسورج گہن کی پیش گوئیاں اور علمِ فلکیات ایک نئی تحقیق ہے؟

جو اسلام کی آمد کے بعد اب ظاہر ہوئی ہے؟

گہن کی پیش گوئیوں کا تعلّق بھی نیا نہیں بلکہ یہ تو اسلا کی آمد سے اور دینِ مسیحی سے بھی پہلے سے ہے اور جب اسلام کا ورود ہوا تو

آپ ﷺ نے ایسی تمام پیش گوئیوں پر ایمان لانے اور عمل کرنے سے نہ صرف منع کیا بلکہ ان کی شرعی حیثیت کا رد فرمادیا اور اہلِ کتاب جو ایسے فلکی حساب اور اس کی پیشگوئیوں کو اپنے دین میں ۳۵۸ء سے داخل کئے ہوئے تھے ان پر عمل کرنے سے روکتے ہوئے مسلمانوں کو متنبّہ کیا کہ خبردار غیروں کی نقل نہ کرنا ورنہ وہ بھی انہی میں شمار ہوں گے۔ تفصیل آگے آرہی ہے)

یہ وہی فلکیاتی حسابات ہیں جن کو دلیل بنا کر اسلام کے اہم رکن ''شرعی شہادت'' کو رد کرکے کہا جاتا ہے کہ آج امکانِ رویت نہیں ہے کیسے چاند دیکھ لیا! اور یہی وہ حسابات ہیں جن سے سرزمینِ حرمین شریفین سعودی عربیہ و دیگر جگہوں میں دیکھے جانے والی چاندرات اور اس کے ثبوت کو رد کرنے کی جسارت کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آج شام تو امکانِ رویت نہیں تھا تو چاند کیسے دِکھائی دیا؟ یہ غلط ہے اس لئے سعودی عربیہ پر عمل کرنے والوں کے روزے اور تراویح نعوذ باللہ نہیں ہوئے! مگر دوسری طرف مفتیانِ کرام کہتے ہیں کہ ان حسابات سے نہ تو چاند ثابت ہوگا اور نہ ہی رد ہوگا اور نہ ہی ان سے اعانت ہی لے سکتے ہیں کہ چلو کل امکانِ رویت ہے تو کل چاند دیکھیں گے آج نہیں! نہیں نہیں یہ تو کھلم کھلا نصوص میں زیادتی ہے جس کا ارتکاب کفر ہے!

آمدم برسرِ مطلب : آج سے تقریباً ۲۶۶۰ برس قبل (آپ ﷺ اور اسلام سے بھی پہلے) کہن کی پیش گوئیاں کی جاتی رہیں ہے، تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہود و نصاریٰ جیسے کہ اپنے مذہبی قمری کیلنڈر کے لئے یونانی فلسفی میتون (۴۳۱ق م) کے حساب، نیومون تھیوری اور اس کے امکانِ رویت کے مفروضہ فلکی حسابات کو ما قبل اسلام ۳۵۸ء سے استعمال کرتے چلے آرہے ہیں جب اسلام اور آپ ﷺ کا ورود ہوا تو آپ ﷺ نے قرآنی آیت **یسئلونک عن الاھلة** (البقرہ) اور حدیثِ امی سے ان حسابات کو اسلامی چاند کی تاریخ کے لئے استعمال کرنے سے منع فرمادیا، نیز فقہاء و مفتیانِ کرام نے بھی اس کا رد کرتے ہوئے ''تائیداً واعانۃً'' بھی انہیں استعمال کرنے کو ناجائز کہا (دیکھو تفصیل کے لئے ہماری ویب سائٹ میں مضامین وار دو انگلش کتب ۱۴۳۰ھ کی دو اردو انگلش ایڈیشن واشاعات)،

نیز آپ ﷺ مزید فرماتے ہیں؛ **عن بن عمر قال لیس منا من تشبه بغیرنا لا تشبهوا بالیهود ولا بالنصاریٰ (ترمذی)** ابن عمرؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا؛ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو غیروں کے مذہب کی نقل کرے اھ۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ہرگز یہود و نصاریٰ کی نقل نہ کریں (ترمذی شریف)

He is not one of us who imitates other thenus . Do not imitate the Jews orchirstains (Tirmidhi).

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: **من تشبّه بقوم فهو منهم** (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) "Who ever imitates a people, he is on of them"

جس نے جس قوم کے طریقے اختیار کئے وہ انہی میں سے ہے۔

نبی کریم ﷺ نے نبوّت کی زمہ داری پوری فرمادی یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہؓ سے سوال کیا تھا اور سب نے بیک آواز جواب دیا تھا کہ آپ نے دین ہمیں پہونچا دیا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے دین کے احکامات پورے پہونچا دئے۔ اگر فلکیاتی حسابات دینی احکامات کے لئے بنیاد ہوتے اور وہ دینی احکامات کے لئے ترازو ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے کوئی بعید نہ تھا کہ وہ اپنے حبیب ﷺ پر وحی کے ذریعہ قرآن و احادیث میں اس کے احکامات بھی بیان فرمادیتے کہ ''فلکیاتی امکانِ

رویت نہ ہوتو چاند کی گواہی مردود ہوگی اور نمازوں کے اوقات کے لئے صرف ۱۸، ۱۵ یا اور کوئی حد، فلکیاتی حساب وڈگڑی کے ضمن میں متعیّن کر کے بتلا دیتے جبکہ مدینہ منورّہ کے یہود خود انہی حسابات پر اپنی مذہبی تقریبات اور پہلے چاند کے لئے عمل کرتے تھے، سیکھنے سکھانے کا مسئلہ بھی نہ تھا مگر چونکہ یہ حسابات غیر قطعی وغیر شرعی ہونے کی بناء پر اس پر عمل کے لئے آپ ﷺ پر اس کی وحی نازل ہونے کے بجائے اس کے رد میں وحی کا نزول ہوا جیسے کہ بیان ہوا۔ اس لئے یہ کہنا کہ جس دن گہن ہو اس دن چاند نہیں دِکھائی دے سکتا اس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں اگر گواہ شرعاً گواہی دیتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا تو یہ شرعاً قابلِ قبول ہوگا اگر یہی بات ہوتی تو آپ ﷺ اس کا حکم بھی بیان فرما دیتے کہ جس دن چاند سورج گہن ہو اس دن کی چاند کی گواہی کا اعتبار نہیں مگر دین کے پورے کے پورے نازل ہونے میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ جس طرح ہم اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ پر غائبانہ ایمان لائے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں (جیسے صحابہ کرام اگرچہ آپ ﷺ کی حیات میں موجود تو مگر وہ بھی آپ ﷺ کے نبوّت کے دعوے پر جو ایمان لائے تھے ان کا یہ ایمان لانا بھی غائبانہ تھا کہ انہوں نے آپ ﷺ سے نبوّت کا دعویٰ تو سنا مگر اللہ کو ایسا کہتے ہوئے کسی نے نہ تو سنا اور نہ ہی دیکھا! لہٰذا جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا اس میں حقیقت کی جستجو اور سائنس کو دلیل بنا کر انہیں اس پر تولنا یہ ایمان کے تقاضہ کے خلاف ہے اس کی کی ضرورت ہی نہیں، اگر اسکی ضرورت ہوتی تو صحابہ کرامؓ (جن کے رتبہ پر کوئی بڑے سے بڑا عالم حتیٰ کہ اللہ کا ولی بھی نہیں پہونچ سکتا) ہرگز خاموش نہ رہتے بلکہ آپ ﷺ کی عدمِ موجودگی اور وفات کے بعد تو وہ اپنی مرضیات پر عمل کرتے کرواتے مگر ایسا کسی نے سوچا تک بھی نہیں تو پھر کسی امتی جاہل، عالم، سائنسداں اور بڑے سے بڑے آسٹرونومر کو بھی کوئی حق نہیں پہونچتا کہ وہ اپنی سوچ، علمیّت وتجارب پر دین کے احکامات کو تولے اور ان کی صحّت وعدمِ صحّت کا فتویٰ لگائے!

مسلمان خصوصاً دین کے حاملین علماء کرام سب کو چاہیئے کہ وہ کلام اللہ پر عمل کرتے ہوئے آپ ﷺ کے فرامین کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور آپ ﷺ کی سنت وطریقہ کو زندہ کریں ایک ایسے زمانہ میں جب کہ دین وسنن اور آپ ﷺ کے فرامین کو اسلام ہی کا نام استعمال کر کے حاملینِ اسلام علمائے کرام ومفتیانِ عظام کو (جو دین کے ستون ہیں) غلط ثابت کیا جا رہا ہے۔ خصوصاً علماء کرام کو چاہیئے کہ وہ ایسے حضرات کے دست وبازو نہ بنیں جو غیروں کا طریقہ اسلام میں داخل کروانے کے خود شکار ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اس راہ پر ڈال کر دینِ اسلام اور آپ ﷺ کے خلاف محاذ کھڑا کر کے خود ان کی اپنی گواہی وں کو بھی قبول نہیں کرتے، وہ گواہی جسے علماء نے اسلامی شہادت قرار دیا مگر پھر بھی ان کی بات بھی انہوں نے نہ مانی تو معلوم ہوا کہ وہ حق کی جستجو میں نہیں بلکہ حق کو مٹانے کی فکر میں ہیں ان سے بچا جائے، (تفصیل کے لئے ہماری ویب سائٹ کے ہوم پیج میں Saudi Announcement & Deoband Fatwa پر کلِک کریں Click in Home Home page

تاریخِ فلکیات ومفروضہ قواعد ؛

(۱۰) فلکیاتی حسابات کے مفروضات اور تھیوریاں! فلسفہ یا سائنس کیا چیز ہے؟ یہ انسان کی اُس ذہنی سوچ کا نام ہے جس کے ذریعہ مظاہرِ قدرت میں تجزیئے کرتے ہوئے وہ ایک خیال واختراع گھڑتا ہے پھر اُسے تجربات پر لاگو کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مزید تجزیوں کے

لئے ایسا فکری مواد پیش کیا جاتا ہے جس سے اپنی سوچ کی منزل کو پانے کا اطمینان ہو جائے مطلب انسان اپنے خیالات اور سوچوں کے تانے بانوں کی بنیاد پر چیزوں کے اسباب اور اس کے نتائج کے لئے مفروضات گھڑتا ہے اور اسے دلائلِ عقلیہ پر مبنی کر کے اپنی سوچ کی کامیابی ناکامی کو اس سے جوڑتا ہے۔

دریائے فُرات کے کنارے کھُدائی کے درمیان آج سے پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ برسوں کی ''سُمیری'' تہذیب کے آثار دریافت ہوئے اور جو چیزیں اس کھُدائی سے حاصل ہوئیں اُن سے اندازہ کیا گیا کہ اُنہیں یہ بات معلوم تھی کہ چاند سورج ستارے گردش کرتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر انہوں نے پانی کے قطروں سے وقت بتانے والی شمشی گھڑی ایجاد کر لی تھی حتیٰ کہ اُنہوں نے مہینوں اور سالوں کی گنتی بھی ایجاد کر لی تھی اور اٹھارھویں صدی قبل مسیح (۱۸۰۰ ق م) میں وادیئے فرات میں بابُل کے بادشاہ حمورابی نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ اس نے ہر قسم کے قوانین اور پڑھائی کے لئے اسکول بھی ہر جگہ پھیلا دیئے تھے اور فلکیات میں خوب ترقی کر لی تھی۔ اسی طرح قدیم مصریوں کی باقیات سے جو معلومات حاصل ہوئیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی فلکیات میں پیش رفت کرتے ہوئے ستاروں کے نقشے بنائے اور سال کو بارہ ماہ پر تقسیم کیا، وہ ہر سال کے اخیر میں پانچ دن کا اِضافہ کر کے سال کو ۳۶۵ ایّام پر پورا کرتے تھے اور قرآنِ مجید نے تو سال کی بارہ مہینوں پر تقسیم کو زمین اور آسمان کی پیدائش سے بھی قبل ہونے کے ثبوت کے طور پر پیش کر دیا ہے۔ امّتِ امّیہ کے امیّ نب وخاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی پیدائش سے تین ہزار سال قبل کی فلکیاتی تاریخ کا اندازہ سُمیری تہذیب سے معلوم ہوتا ہے اور خاص کر آپ ؐ کی پیدائش سے بارہ سو سال قبل کی تاریخ میں مشہور فلسفی طالس کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

مشہور مسلم فلسفی ہارون یحیٰ اکی نشانیاں میں گذرے فلاسفرز اور سائنسدانوں کے متعلق لکھتے ہیں: انسانیت کی پوری تاریخ میں ''مادہ پرستانہ'' فکر ہمیشہ موجود رہی ہے۔ ''اپنے آپ'' پر اور ''اپنے فلسفے'' پر یقین رکھتے ہوئے انہوں نے ''اللہ کے خلاف بغاوت کر دی جس نے انہیں تخلیق کیا'' ہے (ص ۲۱۳) اسی صفحہ پر آگے لکھتے ہیں؛ وہ مادہ جس پر ان کے تمام خیالات، زندگیوں، ہٹ دھرمی اور انکار کی بنیاد تھی اچانک غائب ہو گیا۔ جب مادے کا ہی کوئی وجود نہیں تو مادہ پرستی کیسے موجود ہو گی؟ اللہ کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ منکرینِ حق کے قلاف بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اللہ فرماتا ہے **ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین** (سورۃ الانفال ۳۰)،

آگے ص ۲۱۴ پر لکھتے ہیں: وہ تمام ''مشہور'' لوگ، پروفیسر، ماہرینِ فلکیات، ماہرینِ حیاتیات، طبعیات داں اور تمام دوسرے بلا امتیاز عہدہ ومنصب بچوں کے مانند فریب میں آجاتے ہیں اور اس لئے ذلیل وخوار ہو جاتے ہیں کیونکہ مادّے کو اہمیت دی۔ انہوں نے خیالی تصاویر کے مجموعے کو اصلی سمجھا اور اپنے فلسفہ کی بنیاد اس نظریہ پر رکھ دی تھی۔ وہ بڑی سنجیدہ بحث کرتے تھے اور انہوں نے اسے ایک نام نہاد ''دانشورانہ'' نام دے دیا تھا۔ وہ اس کائنات کی سچائی کے بارے میں دلائل دیتے وقت اپنے آپ کو بڑا دانا سمجھتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی محدود سی عقل سے اللہ کے متعلق مناظرے کرتے تھے۔ اللہ نے ان کی حالت کا ذکر درجِ ذیل سورۃ میں یوں فرمایا **ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین** (آل عمران ۵۴) وہ خفیہ تدبیریں کرنے لگے تھے جواب میں اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے۔

موصوف نے یہاں ساتھ ہی کلام اللہ سے اَور بھی آیات کو مثالاً پیش کیا ہے اور پھر آگے چل کر ص ۲۱۸ پر لکھتے ہیں؛ یہ دنیا ''ادراک کا مجموعہ اور ایک سراب'' ہے وہ تمام لوگ جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا سایے ہیں جوان ادراکات کو اپنے ذہنوں میں دیکھتے ہیں۔مگر پھر بھیوہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔یہ بے خبری اس عقل ودانائی کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے جو اللہ نے منکرینِ حق کو دے رکھی ہوتی ہے(پھر یہ آیت مثالاً لکھی ؛**لھم قلوب لایفقھون بھا ولھم آذان لایسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغفلون** (اعراف ۱۷۹)اھ

آج سے چودہ سوسال سے پہلے نازل شدہ قرآن میں پچھلے اور قیامت تک آنیوالے'' نام نہاد عالم فلسفی وسائنسدانوں'' کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے امّی نبی ﷺ کے واسطے سے آپ کی امیّ امّت اور ہم سب امّیوں کے لئے جوفرمایا وہ ہم نے ہارون یحیٰ صاحب کی مذکورہ تحریرات اور قرآن کی مثالی آیات میں پڑھا۔

مسلمانوں کی پچھلی ہزار سالہ تاریخ میں مشہور مسلم فلاسفر جنہوں نے دنیا پر اپنی دھاک بٹھا دی تھی ان کا اولین ماخذ دراصل سمیری و بابلی یونانی علوم ہیں جن کا ذکر پیچھے گذرا، جنہیں جس میں بنوامیّہ کے ہشام ابن عبدالملک کے میرمنشی نے خاص کر دوسری صدی ہجری کی چوتھی دہائی سے عباسی خلیفہ منصور، اس کے پوتے ہارون رشید اور ہارون رشید اور اس کے لڑکے مامون رشید نے فارسی، یونانی، ہندی کتابوں کو عربی کیا جو تاریخ کے طالبِ علم سے مخفی نہیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔ذیل میں ذرا اور وضاحت سے دیکھ لیا جائے؛۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(Up dated by 21DhulQaad1430/9th Oct 2009 Monday)

ماقبل اسلام و مابعد کے نامی حکماء فلسفی تھے یا انبیاء سے بڑی کوئی اور ہستیاں تھیں؟ اور انبیاء وحبیبِ خدا ﷺ کے فرامین پر برتری دیتے ہوئے آج دین میں مردود اِن کے غیر اسلامی نظریہ کی اتباع کرنے والے اللہ ورسول ﷺ کے فرامین کے مطابق ان کی حیثیت کیا ہے؟ اور وہ کہاں کھڑے ہیں ؟

جب مختلف کتب کا مطالعہ کیا جائے اور فلکیاتی وفلسفیانہ تاریخ کے اوراق پلٹاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائیش کے تین ہزار سال ماقبل یونانیوں نے فارس، مصر واہلِ بُابل (عراق کی سمیری تہذیب) سے یہ علوم حاصل کئے تھے جو فلکیات اور مصری تعمیرات کے ماہر تھے اور مصریوں کے اِہرام (Piramid) اُن کے کمالِ فن کے شواہد ہیں اور بابُلی فلکیات اور دیگر اِنکشافات میں ان کی شُہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور یہ لوگ طباعت اور ابتدائی ریاضی سے واقف تھے۔

لَیکسؔ تِھنیز !(۳۶۰ ق م۔۲۸۰ ق م) یہ مشہور فلسفی'' **ارسطو** '' (۳۸۴ ق م سے ۳۲۲ ق م) کا بھتیجا ہے، **لیکس تھنیز یونان**

سے خاص سفر کرکے بابُل (بغداد، عراق) **گیا** تاکہ فلکیات کا مطالعہ کرے، اُس نے بابُلی ماہرینِ فلکیات کے ''**گذرے دو ہزار ساله فلکیاتی تحقیقات کا ذخیرہ** وہاں سے یونان میں اپنے چچا 'ارسطو' کو بھیجا تھا''۔

نوٹ؛ یادر ہے کہ ''ماقبل مسیح'' (سنہ قم) سن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کے برسوں کو کہا جاتا ہے جو عیسیٰ کی پیدائش سے منسلک سن ''سنہ ۱ء'' شروع ہونے پر ختم ہوجاتا ہے اور سنِ عیسوی یہاں سے شروع کی جاتی ہے اس لئے ماقبل مسیح کی جو بھی سن لکھی جائے گی تو اس کے سالوں کی گنتی کی نسبت (سن عیسوی کے ابتدائی حصہ کو سامنے رکھتے ہوئے) اوپر کے بجائے نیچے کی جانب ہوتی ہے مثلاً اوپر جو لکھا گیا ہے کہ ''ارسطو ۳۸۴ سنہ قم سے ۳۲۲ سنہ قم میں گذرا'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سنہ ۱ء سے پہلے ۳۸۴ سال پہلے پیدا ہوا تھا اور سنہ ۱ء سے ۳۲۲ سال پہلے فوت ہوا تھا۔ اسی طرح جب مابعد مسیح کے حساب سے کل سال نکالنے ہوں گے تو دونوں کی مجموعی گنتی نکالنی ہوگی مثلاً یہ معلوم کیا جائے کہ ارسطو اب سے کتنے سال قبل پیدا ہوا تھا تو ''ماقبل مسیح والے سال اور آج تک کی سن عیسوی کے سال کو جمع کر کے کہا جائے گا کہ وہ آج سے **دو ھزار تین سو تیرانوے** سال پہلے پیدا ہوا تھا (دیکھو یہ مثال؛ ۳۸۴+ سنہ ۲۰۰۹ء = ۲۳۹۳)۔

بہرحال ماقبل اسلام (سنہ ۶۱۰ء) کے چند نامور فلسفیوں میں سے ایک **بِطلیموس مصری** (سنہ ۱۰۹ء / سنہ ۱۴۰ء) آپ ﷺ سے ۵۶۰ برس پہلے ہوا ہے **اس کے پاس** سنہ 747 قم سے لیکر اگلے 887 سالوں کے **بابلی نقشے وزائیچے اس کی موت تک کے برسوں کے موجود تھے** ، **جس میں چاند اور سورج گھن کی یقینی پیش گوئیاں** ،**ان کے اسباب کی تفصیل** ،**دھوپ گھڑی** ،**ھوائی گھڑی**،**محدّب شیشے اور اِصطرلاب** (سورج کی گردش ناپنے کا آلہ یا گھڑی) **کی معلومات تھیں** یہ وہی شخصیت ہے جس نے سنہ ۱۲۷ء سے لیکر سنہ ۱۵۱ء تک اسکندریہ میں اپنی مشہورِ زمانہ کتاب **مجسطی** کی تیرہ جلدیں لکھیں! جس سے مامون نے عربی میں ترجمہ کروا کر اس کا نام '' **الشّمس و القمر** '' رکھدیا تھا، اور آج کے فلکی مفروضہ درجات، ڈِگریاں اس میں ذکر کردہ حسابات کی مرہونِ منت ہیں، مسلم ماہرینِ فن نے اسی کتاب کا سہارہ لیا ہے!،

(**حضرت مفتی محمّدشفیع صاحب**ؒ معارف القرآن میں رقمطراز ہیں ''بطلیموس کے نظریہ نے 'فیثاغورس'' کے نظریہ پر سبقت حاصل کر لی اور جب بطلیموس کی کتابوں کے عربی میں تراجم ہوئے تو اسی بطلیموس کا نظریہ ان کتابوں میں منتقل ہوا اور اہل علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا پہچانا جاتا ہے)۔

طالِس یا تھیلیز (سنہ ۶۲۰ قم) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ'' **زمین کائنات کا مَحوَرھے** ''، یہ فنّ ہیئت کا موجد کہا جاتا ہے اس نے سب سے پہلے کواکب کی حرکت معلوم کرنے کے لئے زِیچ (تقویم) بنائی اور خسوف کی پیشین گوئیاں کی، اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کی تمام چیزیں پانی سے پیدا ہوئی ہیں اس نے علمِ ''ہندسہ'' ایجاد کیا اس میں ''علمِ کُرّہ'' اور ''علمِ مخروط'' بھی شامل ہے یہی وہ علوم ہیں جن کی بنیاد وغوروفکر پر درجات وڈگری کے حسابات معیّن کئے گئے، اس نے'' دائرہ'' بھی ایجاد کیا جس میں آئے دن ترقی ہوتے ہوئے بہت سے آلات اس پر ایجاد کئے گئے۔

فیثاغورس (سنہ ۵۳۶ قم) نے ایک صدی قبل گذرے **طالِس** (سنہ ۶۲۰ قم) کے نظریہ کو غلط ٹھرایا اور ثابت کیا کہ **کائنات کا محور'' زمین نھیں** '' بلکہ **سورج ھے** (یورپ نے پندرھویں صدی عیسوی میں پیدا ہونے والے ''**کوپر نِکلس** Cooper Nichols'' کے سر پر یہ تاج پہنا دیا کہ وہ اس کا موجد ہے! (حالانکہ اُس نے تو ''فیثاغورس'' کے نظریہ کے اسباب کو محض صفائی سے پیش کیا!)۔

،**اقلیدس !** (سنہ ۳۰۰ قم)، اس نے پچھلے ریاضی داں فلسفیوں کی تحقیقات کو جمع کیا اور اگلوں کے لئے ذخیرہ چھوڑا، **ایرَن** اور **جیون !** (سنہ ۲۵۰ قم

''ابرخس'' (انہوں نے **اصطرلاب پر کتابیں لکھیں** جنہیں مامون رشید نے عربی میں منتقل کیا پھر اِن ہیئت وفلکیات کا ایک ماہر) 140 قم) میں ہوا اس نے سیّارات کی حرکت **چھ سو سال مابعد تک کے خسوف** (چاند گہن) **کی تاریخیں**، ستاروں کے فاصلے، اِجرامِ فلکی کی فہرست وغیرہ مضامین پر رسالے لکھے اس کی ایک کتاب ''قِسمۃ الاعداد'' کے نام سے مشہور ہے

سکندرِ اعظم یونانی (۳۳۶ قم) جب **مقدونیہ** (Mecedonia) **سے شام کی طرف لپکا** اور ۳۳۲ قم میں نہ صرف ''**غازہ**'' اور **لبنان** کی بندرگاہ'' **طائر**'' پر قبضہ کرلیا بلکہ آگے بڑھ کر '' **بابل**'' بھی فتح کرلیا (بابل جو عرصہ تک فلکیاتی علوم کا مرکز رہا ہے اب بغداد شہر میں آثارِ قدیمہ کا ایک حصّہ ہے جسے صدّام حسین پر امریکی بمباری سے شدید نقصان پہونچا)۔ **سکندر یہاں سے مصر ایران اور سابقہ روسی مسلم علاقوں قازقستان تاجکستان وغیرہ کو سر کرتا ہوا آگے بڑھا اور ۳۳۶ قم میں ایرانی حکمراں دارآ کو شکستِ فاش دیکر قتل کر دیا۔**

سکندر دنیا کی فتح کے جنون میں وہاں سے آگے جنوب کی طرف حالیہ ممالک پاک و ہند، ہمالیہ وچین کے علاقوں کی طرف بڑھا، یہاں پہونچکر قتل وغارت اور لوٹ مار کے بعد وہ وطن لوٹنے کے خیال سے **واپس بابل پہونچا**، مگر وطن واپسی کی اس کی امیدیں خاک میں مل گئیں کیونکہ وہ مسلسل اسفار ومہمّوں سے تھک کر یہاں سخت بیمار ہوا اور ۳۲۳ قم میں یہیں فوت ہوگیا، اسے وطن کی مٹی نصیب نہ ہوئی اور بابل ہی میں پیوندِ زمین ہوگیا! اب اس کے مظالم کی قیمت وہاں اس کی نام نہاد تاریخی قبر سے وصول کی جارہی ہے۔

''سکندرِ اعظم'' کی اس مہم میں اس کے پرشیین شہنشاہ داراکو شکشت دینے پر'' یہ علوم فارسیوں سے منتقل ہوکر یونانیوں میں پھیل گئے''۔

یونانیوں میں طالس پہلا شخص ہے جو فلکیاتی علوم کا موجِد سمجھا گیا، یونانیوں میں سُقراط حکیم ۳۹۹ قم، افلاطون ۳۰ ۴ قم، ارسطاطالیس ۳۸۴ قم، بطلیموس ۱۴۰ء، بلیناس، بقراط اور حکیم جالینوس وغیرہ پیدا ہوئے اور یہ سلسلہ 552 عیسوی تک قائم رہا اور ۵۷۱ء **میں اسلام کا نور روشن ہوا۔**

یونانیوں کے زمانہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، قدیم وجدید فلاسفر! اِن قُدماء میں بالرتیب سات بڑے حکیم وفلسفہ کے جو ستون کہلائے وہ یہ ہیں: (۱) **طالس** (۲) **انکساغورس** (۳) **اِنکسانس** (۴) **اَپِنڈکس** (۵) **فیثاغورس** (جس نے زمین کے بجائے سورج کو مرکزِ کائنات فرض کیا) (۶) **سقراط اور** (۷) **افلاطون**۔ اِن قدماء کے بعد دورِ جدید کی ابتداء **ارسطو** (۳۸۴ قم) سے ہوتی ہے۔

مذکورہ تاریخ کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ ''ہیئت وفلکیات کے مفروضات نئے نہیں ہیں اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں یہ علوم نہیں تھے بلکہ جہاں یہ علوم اور اس کے جاننے والے موجود تھے وہیں اللہ تعالےٰ نے آپ ﷺ پر وحیِ قرآن کے ذریعہ نجوم، چاند، سورج وغیرہ فلکیات پر دلالت کرنے والی متعدد آیات نازِل فرماکر آپ ﷺ کو ان سب فلسفیوں پر فوقیت دی''، اس کے ذریعہ اُمّت کو سبق سکھایا کہ یہ صرف میری وحدانیت کے مظاہر ہیں۔

اگر فلکیاتی علوم ''دینی احکام کے ثبوت'' کے لئے ضروری ہی ہوتے تو آخر آپ ﷺ پر اللہ نے اسے کیوں نازل نہ فرمایا نیز آپ ﷺ نے صحابہ کو اسے سیکھنے کے لئے کیوں حکم نہ فرمایا یہ علم ہی تو تھا آپ ﷺ اُن سے ضرور فائدہ اُٹھاتے جیسے بدر کے قیدیوں سے لکھنا

پڑھنا سیکھنے کا فائدہ اٹھایا تھا مگر اس مسئلہ میں کیوں نہیں؟ جبکہ مدینہ منوّرہ کے یہود فلکیاتی حسابات کے ماہر بھی تھے، اطراف کے نصاریٰ بھی اس میں مشہور و معروف تھے نیز مذکورہ کتب کا ذخیرہ بھی موجود تھا پھر اس کے عالم بھی ہر سو موجود تھے اس کے باوجود آپؐ نے اسلامی کیلنڈر و تاریخ کی ابتداء کے لئے فلکیات کے میتونی (۴۳۱ ق م) اور ربائی حالیل دوم (۳۵۸ء) کے نیومون تھیوری کے مفروضات پر مبنی یہودی طریقہ پر عمل کرنے کے لئے صرف یہی نہیں کہ اسے نہ تو ان سے سیکھا اور نہ ہی ان سے اس میں مدد لی! اس کے بجائے آپ ﷺ نے اس کی مخالفت کی اور جن مسائل میں ان سے تشبہ اختیار کرنے کی ممانعت فرمائی ان میں اسے بھی شامل فرمایا (تفصیل ہماری ثبوتِ ہلال کتب میں دیکھیں)

مدینہ منوّرہ کے یھودیوں کو فلکیاتی حسابات پر عبور حاصل ہونے کا دعویٰ تھا مگر چونکہ دین میں یہ علوم شرعی حیثیت کے حامل نہ تھے آپ ﷺ نے اس طرف بالکل توجہ نہ فرمائی اور نہ ہی خلفائے راشدین نے کی جن کے مفتوحات میں ملکِ فارس (ایران کہ جہاں کے ایک شہر جندی صابور میں شام کے نسطوری مہاجر عیسائیوں نے اکیڈمی و یونیورسٹی قائم کر کے وہاں فلکیاتی رصدگاہ بھی بنائی تھی) بھی شامل ہو چکا تھا پھر صحابہؓ کی حکومت کا سکّہ رومی مقبوضات مصر و شام پر بھی جم چکا تھا جہاں ان علوم کی کتب کے ذخائر موجود بھی تھے مگر نہ تو انہوں نے اس طرف التفات کیا اور نہ ہی ان کے ماہرین کو مدینہ میں جمع کیا تا کہ مسلمانوں کے نماز روزوں کے اوقات کے مسائل اس کے ذریعہ حل کریں بلکہ آپ ﷺ نے عینی رُؤیت اور اس کی شہادت پر مبنی ہونے والے مہینہ کی ۲۹ ویں کی شام تیسویں رات کو چاند دیکھنے پر ہی اسلامی مہینہ کی ابتداء کا جو حکم دیا تھا اور حساباتِ فلکیات کا انکار کرتے ہوئے یہ جو فرمایا تھا **اِنّا نحن اُمّة اُمّية لا نكتب و لا نحسب الشّهر هٰكذا و هٰكذا الخ** (بخاری) اسی پر وہ قائم و دائم رہے کیونکہ آپ ﷺ کی آمد پچھلے نظریات کو تبدیل کر کے اللہ کی طرف سے آمدہ دینِ اسلام اور اس کے نظریات کو پروان چڑھانے کا ایک نیا مشن تھا!

نبی کریم ﷺ نے نمازوں کی ابتداء کے اوقات کے لئے سورج کی گردش سے اثر پذیر ذرائع کے مشاہدات تو کئے مگر یہودیوں و ماہرینِ فلکیات سے چاند و سورج کی گردش اور اس کے اثرات یعنی اُن کے طلوع و غروب اور اُس سے اوجالا و اندھیرہ وغیرہ سے متعلق یہ معلومات نہ لیں اور اُن سے رابطہ نہ کر کے اُمّتِ مسلمہ کو عملاً بتلایا کہ وہ ان حسابات کو دینی احکامات کا تراز و بنائے اور یہی وجہ ہے کہ صدیوں پر مشتمل گذرے فقہاء نے بھی ان مفروضات و حسابات کو قطعی قرار نہ دیا اور کم از کم پانچ ہزار سالہ مدّت گزرنے اور جس زمانہ میں ہم موجود ہیں جو سائنسی ترقّیات کے باوجود آج بھی اس کے ماہرین تک میں ان اوقات کی ڈگڑیوں پر اتفاق نہیں ہو سکا ہے کیونکہ تجربات و مشاہدات اس کی اجازت نہیں دیتے!

آپ ﷺ کے بعد اسکندریہ (Alecxandriyah) اور فارس کے قادسیہ کی تباہی بھی ہمارے سامنے ہے اگر یہ علم ضروری ہوتا تو عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ و صحابیؓ رسول ﷺ جن کے مشورے کی تائید بارہا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل بھی فرمائی تھی نہ صرف فارسی و یونانی کتب سے فائدہ اٹھاتے بلکہ مزید براں آپؓ ان کے ماہرین کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مدینہ منوّرہ میں اِکٹھا کر دیتے مگر ایسا نہ کیا بلکہ ان کتب کو اور نہ ہی ان کے علماء کو بالکل اہمیت ہی نہ دی کیونکہ آپ ﷺ نے ہی اللہ کی طرف سے امت کو یہ سکھایا تھا اگرچہ خیر القرون کے بعد حکمراں طبقہ اِس کا دلدادہ ہو گیا جس کی ترجمانی سے اسلام میں کئی باطل فرقے پیدا ہوئے اور باطل نظریات نے جگہ لے لی جس کا

انکار کوئی بھی نہیں کرسکتا !

شیعہ حکمران ''حاکم بامر اللہ''؛ نصوص کو غیر شرعی اور اس کے مخالف شرطوں سے مشروط نہیں کیا جا سکتا ہے۔ان حسابات کو سب سے پہلے اختیار کرنے والے اور اسلام میں داخل کرنے والے روافض وشیعہ ہیں اور مسلم نامی حکمرانوں میں سب سے پہلا بادشاہ مصری فاطمی شیعہ حکمراں ''حاکم بامراللہ'' ہے۔فاطمی شیعہ جو اہلِ سنت والجماعت کی مصری اکثریّت پر حکمراں بن گئے تھے اور حاکم بامراللہ نے ان پر چاند دیکھ کر رمضان وعیدین شروع وختم کرنے کی پابندی لگا کر ''ان فلکیاتی مفروضہ حسابات سے اعلانات پر رمضان وعیدین کرنے پر مجبور کردیا تھا جو ایک تاریخی حقیقت ہے مگر اس کی اس قسم کی کوششوں کو نصوص وسنن پر عمل کرنے والے مصری اہلِ سنت والجماعت نے پانچ سال تک حاکم بامراللہ کے خلاف اپنی مالی جانی قربانیوں سے ناکام بنادیا۔

جب اسلام کی آمد ہوئی اور آپ ﷺ اللہ کی طرف سے مامور ہوئے تو آپ نے فرمایا؛ پچھلے طریقے میرے قدموں کے نیچے ہیں میں انہیں مٹانے آیا ہوں ،اس طرح اہلِ کتاب کے مذہبی طریقوں پر عمل کرنے سے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو روک دیا اور یہاں تک فرمایا کہ **من تشبہ بقوم فھو منھم** کہ جو کوئی کسی غیر قوم کے طریقہ پر چلے گا وہ اُنہی میں شمار ہوگا البتّہ پچھلے انبیاء کے وہ طریقے جنہیں آپ ﷺ نے شرعاً باقی رکھا وہ اس مشابہت میں داخل نہیں ۔چونکہ یہود ونصاری اپنی مذہبی تاریخوں کے لئے فلکیات پر عمل کرتے تھے آپ ﷺ نے انکار فرمادیا اور بعینہ چاندرات کی رویت کے سادہ طریقہ پر عمل کرنے کا حکم دیا (دیکھو تفصیل ہماری ثبوتِ ہلال کتب میں) ،نمازوں کے اوقات کے لئے سورج کو بعینہ دیکھنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اس کے طلوع وغروب ،افق پر اس کی روشنی کے اثرات اور اس سے کسی چیز کے سایہ کی پیائش واندازہ کو نمازوں کے اوقات کا معیار مقرّر فرمایا جو رہتی دنیا تک باقی رہنے والا شہری ودیہاتی اور جنگل وپہاڑ کی کھوہ میں رہنے والے ہر کسی کے لئے قابلِ عمل ویقینی تر از وہے۔

اسلام میں انسان کی دنیوی ضروریات وبہبود کے لئے نت نئی تحقیات ،سائنسی ریسرچ وغیرہ کے لئے کوئی ممانعت نہیں البتہ دینی احکامات پر عمل سائنسی ریسرچ وتحقیق کے بجائے اللہ ورسول ﷺ نے جو حکم فرمادیا اسی کے مطابق عمل کرنا ہوگا جیسے چاند کو ۲۹ ویں کی شام دیکھ کر اور نہ دِکھائی دینے کی صورت میں نیا مہینہ شروع کرنے کا حکم اس ۲۹ ویں کی شام کو فلکیات کی نیومون تھیوری اور اس کے امکانِ رویت حسابات کے ساتھ مشروط کرکے نہیں اللہ ورسول ﷺ نے نہیں دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھو ہماری ویب سائٹ پر پر ثبوتِ ہلال کتب)۔

بہرحال خیر القرون کے بعد دوسری صدی ہجری میں دیگر یونانی کتب کی طرح ارسطو کی کتاب مجیسطی کے عربی ترجمہ کو بنوعباّس کی حکمرانی میں حکومتی سطح پر عوامی کشش کا ذریعہ بنایا گیا اور یہ سلسلہ حکوتی سطح پر جاری رکھنے کے لئے باقاعدہ اکیڈمی وبیت الحکمت کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا سلسلہ حکومتوں کی سطح پر جاری ہوتا ہوا تب سے آج بھی اسی طریقہ پر حکومتوں کا عمل جاری ہے۔ دنیا بھر کی حکومتیں اس کے پیچھے دھوم رقم خرچ کررہی ہے جس سے عوامی دباؤ میں کمی لانے کیلئے وہ کئی طرق آزمائے ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہماری آپس کی بحثیں بھی ہیں جو ہمیں ان کے اقدامات اور بیحد وحساب خرچ کا جہاں جواز فراہم کرتی ہے وہیں دوسری طرف ان پر عوامی دباؤ کو بھی کم کرتی ہے۔

اب اس پچھلے پانچ ہزار سالہ دور خاص کر اسلام کی آمد کے بعد دوسری صدی ہجری سے تالہ بندھ کتب کو عیسائیوں سے حاصل کر کے عبّاسی حکمرانوں کی طرف سے جاری کردہ ایک ہزار سے زیادہ برسوں کی بحثوں اور تحقیقات کو چاہے رویتِ ہلال ہو یا نمازوں کے اوقات کی اندازی نشاندیہی کی مفروضہ ڈگڑیاں! اگر ان کی قطعیت کو ان اوقات کا قطعی ویقینی ترازو اور مرکزی نقطہ محور ماننے پر اسرار کیا جائے تب بھی یہ بات اپنی کمالیت پر پوری نہیں اتر سکتی کہ ''سورج کی زیرِ افق کی ''کوئی مخصوص ڈگڑی'' کو حرفِ آخر قرار دیدیا جائے خصوصاً غیر معتدل علاقوں کے لئے! صدیوں سے یہ بحثیں جاری ہیں اور بہت تحقیق ہو چکی مگر تحقیاقت اور اس کی آخری متّفقہ حد کا ''قدرتی نقطہ'' محققین سے آنکھ مچولی کھیلتا مذاق بنا ہوا ہے!

اس نتیجہ وثبوت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور پچھلے ہزار سالہ دور کے ماہرین کی تحقیقات اور ان کے بیحد آپسی اختلافات کے حقیقت ہونے بلکہ اس سے بھی ماقبل مسیح علیہ السلام کی اس میدان کی تحقیقات کو شتر مرغ کے ریت میں اپنی گردن چھپانے کے مترادف رویّہ واسرار سے اسے بالکل سو فیصد قطعی ویقینی ہونے کی سند نہیں دی جاسکتی اور یہ کوئی زبانی لفاّظی نہیں بلکہ اس میدان کے ماہرین کی تحقیق و رائے ہے اور یہ حالات اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان نے نہ صرف چاند پر بلکہ اس سے بھی آگے کی جو کمندے پھینکی ہیں اور جسے جھٹلانے کے لئے بظاہر کسی کے پاس کوئی ایسا عمومی ترازو بھی نہیں جسے استعمال کر کے اس کی صحّت کو جانچا جائے؟ مگر چہ لوہا لوہے کو کاٹے کے مثل چاند پر انسان کے قدم رنجہ ہونے کو غلط پروپیگنڈہ بتلانے والی ایک رِسرچ فلم کا قارئین کو پتہ ہی ہوگا کہ اس کے بنانے والوں نے کئی سائنسی دلائل ہی سے اِسے جھٹلانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور یہ بھی کمال ہے کہ اس ریسرچ فلم کی تردید بھی کسی نے نہیں کی!

بہرحال ہم انسان کے چاند پر پہونچنے کے حساب کو قطعی ویقینی اور صحیح ہی مان لیتے ہیں مگر جس حساب کی بنیاد پر یہ چاند پر پہونچے اس کے متعلق خود فلکیاتی ماہر پروفیسر الیاس اپنی کتاب میں ایسے لوگوں پر تنقیداً لکھتے ہیں (جو چاند کی رویت کے حساب کے قطعی ہونے کی دلیل میں انسان کے چاند پر پہونچنے کو پیش کرتے ہیں) کہ چاند کی رویت والا حساب دنیا سے سیّارات تک پہونچنے کے حساب سے بالکل الگ حساب ہے اس لئے چاند اور سیّارات تک انسانی کاوِشوں کے حساب کو رویتِ ہلال اور اس کے امکانِ رویت کے حسابات سے کوئی واسطہ وسروکار نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے امت نے خاص کر نمازوں کے اوقات میں درجات وڈگڑی کے تجزیہ کی سہولت کے اس دروازہ پر آخری قطعی مہر نہیں لگائی کہ یہ ایک قطعی چیز ہے آئندہ اس میں کوئی تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی اور بس! اسکی وجہ یہی ہے کہ صدیوں کے تجربات سے یہ موقع حتمی شکل میں میسّر نہ آسکا اور آج کے ماہر تک اسلام کی سادگی والے طریقہ کی اہمیت وقطعیت کو بلا جھک قبول کرتے ہوئے کہنے پر مجبور ہیں کہ ''بار بار کے اور مختلف جگہوں اور مختلف اوقات وموسموں کے تجربات ومشاہدات میں اتفاق کے بجائے اختلاف کا ہونا یہ ایک قدرتی راز ہے جو بظاہر ''ہر جگہ میں ہر وقت یکساں موسمی حالات کی عدمِ موجودگی وغیرہ کے ظاہری اسباب کے مرہون ہے'' جبکہ فقہاء و مفتیانِ کرام چاہے ان کا تعلق کسی بھی مکتب خصوصاً بریلوی یا دیوبندی مکتب سے ہے ہر کوئی یہی کہتے ہیں کہ مشاہدات ہی اصل ہیں، اگر کسی درجہ وڈگڑی کے وقت سے مشاہدات کا وقت مختلف ہو تو مشاہدہ کو ڈگڑی والے وقت پر ترجیح ہوگی اور ڈگری والا مفروضہ وقت باطل ہوگا اور اس پر نمازیں اداء نہ ہوں گی!

نتیجہ:

خلاصہ یہ ہے کہ **صدیوں کے مشاہدات کے باوجود کوئی معیّن ڈگری ہمیشہ کے لئے ثابت نہ ہوسکی** (دیکھ لیں کم ازکم بیرونی سے لیکر اب تک کے ماہرین کی آراء!) ہاں ماہرین نے مخصوص حسابات سے مخصوص ڈگریوں کو عرصہ تک اپنے تجربہ وتحقیق کا محور بنا کر ان کے مطابق تقویمات اور زائچے تیاّر تو کئے اور اپنے مابعد آنیوالوں کے لئے اپنی تقویمات وزیچ چھوڑ گئے اور جس طرح انہوں نے اپنے پچھلوں حتیٰ کہ ماقبل مسیح گذرے فلسفیوں کی تحریرات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی آج ہم لوگ بھی ہمارے ان گزرے ماہرین کی تحریرات وحسابات کو اپنے تجربہ وعمل میں لانے کو کوشاں ہیں مگر مشاہدات جو اس کی تعیین میں جس طرح پہلے ان کا ساتھ نہ دے سکے آج بھی وہی حالات ہمارے سامنے بھی ہیں (مزید تفصیل میری کتب Fajar & Isha and Twilight اور برطانیہ میں عشاء کا صحیح وقت اور فلکیات وشرعی ثبوت ہلال ۱۴۳۰ھ کے ایڈیشن میں ملاحظہ فرمائیں)۔

پھر جب معاملہ غیر معتدل علاقوں اور برطانیہ جیسے ملکوں سے وابستہ ہوگا تو یقیناً یہ حالات معتدل علاقوں کی بہ نسبت مزید غیر متیقّن وباعثِ تشویش ہوں گے بعض مرتبہ انسانی فطرت (وکان الانسان اکثر شیء جدلاً) کا دخل اپنی حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو یہ وقت کبھی کبھی کسی خیر کے وجود کا گواہ بھی بن جاتا ہے جیسے کہ جس طرح برسوں یہ میدان بنایا گیا تھا کہ ''برطانیہ میں مشاہدات ہو ہی نہیں سکتے'' اور جب حالات نے مجبور کردیا اور اللہ کی مدد سے پہلی مرتبہ یہاں سال بھر کے کامیاب مشاہدات ہوگئے اور جو نتیجہ برآمد ہوا وہ امتِ مسلمہ کے سامنے سو فیصد خلوص کے ساتھ پیش کردیا گیا۔ مگر پھر بھی میں نہ مانوں کا مرض نہ رُکا اور تجاہلِ عارفانہ سے اس میں خامیاں نکالنے کا مرض پیدا کیا گیا جس کا اثر یہ ہوا کہ یا تو کل تک یہ کہا جا تا رہا تھا کہ برطانیہ میں مشاہدات ہو ہی نہیں سکتے! اور یا اب یہ وقت ہے کہ ہر ہر گلی کے در ودیوار سے آواز اُٹھتی سنائی دیرہی ہے کہ کون کہتا ہے کہ یہاں مشاہدات نہیں ہوسکتے! میں نے بھی کئے وہ بھی کررہا ہے اسے بھی ہوئے اس طرح ایک نہ مٹنے والا سلسلہ ہمارے سامنے ہے جو منصفینِ مخلصین اور عارفین جہل کے رحم وکرم کی آس لگائے ہے ۔

ہر زمانہ کے فلاسفر اور ماہرینِ فلکیات کے نظریات میں شدید اختلافات اور روزمرّہ کے نئے نئے اکتشافات اس کے واضح دلائل ہیں کہ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جاسکتا! فیثاغورس اور طالس کے نظریات ہیئتِ افلاک کے متعلق ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھے۔ بطلیموس نے طالس کی وکالت کی اسے اپنے زمانہ کی حکومت کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کا نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثاغورس کا نظریہ گوشۂ گمنامی میں جاپڑا، اور جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو بطلیموس کا یہی طالسی نظریہ اِن مترجم کتابوں میں منتقل ہوا اور اہلِ علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا پہچانا گیا! بہت سے مفسّرین نے یہی نظریہ سامنے رکھ کر کلام کیا!۔

گیارھوین صدی عیسوی: اس صدی سے اقوامِ یوروپ کی ترقّی کا آغاز ہوا اور یوروپین محقّقین نے ان مسائل پر کام کرنا شروع کیا جن میں کوپرنِک (Cooper neack-1543CE) پھر جرمنی میں کیپلر (Keapler-1630CE) اور اٹلی میں گلیلیو (Glelyo-1642CE) وغیرہ کے نام آتے ہیں انہوں نے ازسرِ نو ان مباحث کا جائزہ لیا، وہ سب اس پر متفق ہوگئے کہ ہیئتِ افلاک کے متعلق طالس کا نظریہ غلط ہے (جسے بطلیموس نے خوب مشہور کیا ہے) اور فیثا غورس کا نظریہ صحیح ہے۔

اٹھارھویں صدی عیسوی وتیرھویں صدی ہجری میں اسحاق نیوٹن (Newton) کی شہرت ہوئی، اس کی تحقیقات وایجادات نے اس کو مزید تقویت پہونچائی، اس نے یہ تحقیق کی کہ وزنی چیزیں اگر ہوا میں چھوڑی جائیں تو ان کے زمیں پر آ گرنے کا سبب وہ نہیں جو بطلیموسی (طالسی) نظریہ میں بتلایا گیا ہے کہ زمین وسط میں مرکزِ عالم ہے اور تمام وزنی چیزیں مرکز کی طرف فطرۃً رجوع کرتی ہیں بلکہ اس نے بتلایا کہ جتنے ستارے اور سیّارات ہیں سب میں ایک ''جذب وکشش کا مادّہ'' ہے زمین بھی اسی طرح کا ایک سیّارہ ہے اس میں بھی کشش ہے جس حدتک زمین کی کشش کا اثر رہتا ہے وہاں سے ہر وزنی چیز زمین پر آئے گی لیکن اگر کوئی چیز اس کی کشش سے باہر نکل جائے تو وہ پھر نیچے نہیں آئیگی۔

امریکن خلانورد جان گلین (Jhon glain) کامیابی سے چاند کے سفر سے واپس آیا تو وہ اپنے طویل مقالے میں لکھتا ہے کہ ''یہی ایک واحد شیء ہے جو خلاء میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز ومحور سے وا بسطہ رکھتی ہے'' آگے وہ لکھتا ہے کہ ''اس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں **۔سائنسی اصطلاحات وپیمانوں میں خلائی پیمائیش ناممکن ھے ۔۔۔اس کائنات میں ایک رھنما قوّ ت موجود ھے** ۔۔سائینسی آلات سے ان کی پیمائیش ناممکن ہونے اور اپنی سب کوششوں کی اس کے مقابلہ مین حقارت کا اقرار واعتراف کرنا پڑا، یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت انسان کو ایسے لایعنی مشغلے مین مبتلا کرنے سے گریز کرتے ہیں (معارف القرآن ج ۶ ص ۴۸۷ تا ۴۹۵)

حضرت مفتی محمّد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معارف القرآن میں ان آیات جس میں بظاہر فلکیّات وہیئت سے متعلق ذکر ہے اُن کی تفسیر میں جس بات کی طرف جو زیادہ زور دیا ہے وہ مندرجہ ذیل نتیجہ پر مشتمل ہے

(۱) ہیئت وفلکیاتی فلسفہ کی بحثیں نئی نہیں بلکہ وہ تو نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے بھی بہت پہلے سے تھیں

(۲) اُن فلاسفر کے درمیان ہیئت کے مفروضہ نظریات میں اتّفاق کے بجائے اختلاف تھا مشہور فلسفی طالس یا تھہلیز (۶۶۰ ق م) نے **زمین کو مرکزِ کائنات** مانا جبکہ ایک سو چوبیس برس بعد اس نظریہ کو فیثا غورس (۵۳۶ ق م) نے غلط ٹھہرا کر زمین کے بجائے **سورج کو مرکزِ کائنات** ثابت کیا! یہاں تک کہ اس سے چھ سو برس بعد آنے والے فلسفی بطلیموس (۱۰۹ء) نے فلکیات پر تحقیقاتی کام کیا تو اس نے فیثا غورس کے نظریہ کے بجائے سات سو سال پہلے ہونے والے طالس کے نظریہ کو شہرت دی اور زمین کے مرکزِ کائنات ہونے کو اپنے زمانہ کی حکومت کے تعاون سے پروان چڑھایا اور اسی نہج پر تحقیقات وتجربات کو سرانجام دیا!

(۳) بطلیموس کے بعد نبی کریم ﷺ کی آمد ونبوت، خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین (اور بنواُمیّہ وبنوعباّس) کے زمانہ میں بھی بطلیموسی نظریہ ہی جاری رہا اور بنواُمیّہ کے ہشام ابن عبدالملک اور بنوعباّس کے منصور، ہارون ومامون نے تو فارسی ویونانی فلسفی کتب بشمول بطلیموس کی مجسطی کو عربی زبان میں ترجمہ کروا کر اپنے منظور نظر نظریہ ''مرکزیتِ زمین'' کو (جو اصلاً طالس کا نظریہ تھا) دنیا والوں کے سامنے دوسری زبان میں تحریری ثبوت کے طور پر پیش کیا!

(۴) مسلمان فلسفیوں نے (طالس کے) اِسی بطلیموسی ''نظریۂ مرکزیّتِ زمین'' کو اپنی کتابوں میں تحقیقات کا محور بنایا ہے مگر گیارھویں صدی عیسوی میں یوروپ نے انگڑائی لی اور اب تک طالس والی بطلیموسی تحقیقات پر مسلمانوں نے اپنے پنجے گاڑے تھے اس کے خلاف فیثا غورسی نظریات پر تحقیقات کی سوچ نے ابتداء کی یہاں تک کہ حکومتی اداروں کے سہارے وہاں کے فلسفیوں، کوپرنیک، کلیر، گیلیلیو، نیوٹن وغیرہ نے بطلیموسی (۱۴۰ق م) نظریہ کے بجائے فیثا غورس (۵۳۶ق م) والے نظریہ کو ''سورج کے کائنات کے مرکز ہونے'' پر اپنی تحقیقات و تجربات کی بنیاد رکھیاس کے بعد سے اب تک جو کچھ تحقیقات و ایجادات کے نتائج آئے سب کے سامنے ہیں یہاں تک کہ چاند پر انسان کو اتار دیا گیا اور ابھی آگے مرّیخ وغیرہ پر پہونچنے کے خواب کو حقیقت میں بدلنے کی بھرپور کوششوں میں وہ دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔

(۵) پانچویں بات آپؒ نے یہ فرمائی کہ فلسفیانہ مفروضات ہیئت وفلکیات اور اس کے قواعد چاہے وہ بطلیموسی ہوں جس نے زمین کو کائنات کا مرکز تصوّر کیا تھا اور اس مفروضہ کی بنیاد پر ہیئت وفلکیات کے قواعد و مفروضے لکھے اور اپنی تحقیق کا محور و مرکز اس مفروضہ کو بنایا۔اھ۔

بطلیموس نے فلکیات پر کئی کتابوں کے علاوہ مجسطی مشہور کتاب لکھی اور چاند سورج ستاروں کی حرکات کی فلسفیانہ مفروضہ پیمائش کی اور اس کے لئے تھیوراٹیکل ژاویئے اور ژائچے بنائے اور مامون کی طرف سے اس کا عربی میں الشّمسُ والقمر کے نام سے ترجمہ کیا گیا اور اسی کی بنیاد پر مسلم فلسفیوں نے اسی کے مفرضوں کے ماتحت چاند سورج کے ژاویئے اور حساب کتاب لکھے!

یہ تحقیق و مفروضے بطلیموسی ہوں یا فیثا غورسی! ان کے پیچھے ہمیشہ زمانہ کی حکومتوں کا تعاون درکار رہا، یہی وجہ تھی کہ دو ہزار سال گذرنے کے بعد کوپرنکلس نے فیثا غورس کے کے نظریہ کو حرکت دی جسے اب تک حکومتی تعاون نہ ملا تھا اور بطلیموس کی تصدیق کی وساطت سے پندرھویں عیسوی تک حکومتوں کا تعاون اسی نظریہ کو آگے بڑھا چکا تھا اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ یورپ کے تعصب کی یہ کھلی مثال ہے جواب بھی جبکہ فیثا غورسی نظریہ ہی مرکزِ تحقیقات ہے وہ بیچارہ کوپرنِک کے نام تلے گم نامی میں چھپا ہوا ہے۔

حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا کہ اسے حکومتِ وقت کا تعاون میسّر رہا، اور یہ بات صحیح بھی ہے کہ حکومتیں جب کسی چیز میں دخل دیتی ہیں تو وہ اس کے ہی پیچھے بے دریغ رقوم خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا اثر ورسوخ کا بھی بھرپور استعمال کرتے ہوئے جور وظلم اور زیادتی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔

آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ حکومتوں کے ہاتھ میں طاقت اور اثر ورسوخ مرکوز ہوتے ہیں وہ ان پر لالچ، ظلم وزیادتی سے، طمغات و میڈل دے کر اور عہدوں سے نواز کر، مخلوق میں پھوٹ ڈلوا کر انہیں آپس میں لڑاتے ہیں اور اپنا مطلبی نظریہ اور حکم ان پر تھوپتے ہیں ،حضرت مولانا مفتی محمّد شفیعؒ نے حکومتی تعاون کا جو فرمایا اس کا یہی مطلب ہے اور آپؒ اس جملہ سے یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ آج بھی قرآن وسنت کا مخلصانہ مشورہ دینے والوں، دینی حمیت اور اُمّت کا اسلامی درد رکھنے والوں کی باتوں کا حکومتی سربراہوں پر کوئی اثر نہیں کیونکہ حکومتی فلسفہ کی بنیاد پر ان کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ ملکی اور عالمی سطح پر دوسرے حکومتی ساجھ داروں کا تعاون کرے چاہے دین اور قوم وملّت کا کچھ بھی نقصان کیوں نہ ہو جائے!

مولانا علی میاںؒ لکھتے ہیں ''مامون کی دلچسپی سے سریانی، یونانی، اور فارسی (کے ذخیروں) سے یونانی فلسفہ کی بکثرت کتابیں

خصوصاً ارسطو کی تصنیفات عربی میں منتقل ہوگئیں اور وہ تیز طبیعت اور خام عقلیت مسلمانوں پر بڑا اثر ڈال رہی تھیں‘‘ (مزید آگے رقم طراز ہیں) ’’چوتھی صدی کے آخر میں تمام عالمِ اسلام پر فلسفۂ یونان کا اثر پڑ رہا تھا، ہر ذہین و متجسّس نوجوان اس کو شوق اور عزّت کی نگاہ سے دیکھتا تھا‘‘ (آگے ایک جگہ لکھتے ہیں) ’’**فلسفہ، نبوّت کے بالکل متوازی چلتا ہے اور کہیں جاکر نہیں ملتا، وہ دین کے اصول وکلیّات اور اس کے بنیادی عقائد ومسائل سے متصادم ہے اس لئے جس قدر فلسفہ کی مقبولیت اور عظمت بڑھتی گئی، قدرتی طور پر دین کی وقعت اور انبیاء علیہم السّلام کی عظمت کم ہوتی گئی** اھ

خلاصہ ؛ فلکیات وماہرین کی اس تاریخ سے دو باتیں کھل کر سامنے آئیں؛ (۱) یہ علوم نئے نہیں بلکہ نہ صرف ماقبل خاتم الانبیا ﷺ بلکہ ماقبل مسیحؑ و دنیا میں آدمؑ کی آمد سے ہے (۲) چاند وسورج گہن کے حسابات اور ان کی پیشگوئیوں کی تاریخیں بھی نئی نہیں بلکہ یہ بھی ماقبل مسیح سے جاری ہیں (۳) طالس یا تھلیز جو 660 قم میں ہوا اس نے سب سے پہلے کواکب کی حرکت معلوم کرنے کے لئے زیچ (تقویم) بنائی اور **خسوف کی پیش گوئیاں کی**، ابرخس جو 140 قم میں ہوا اس نے چھ سو سال مابعد تک کی خسوف (چاند گہن) کی تاریخیں لکھ کر اگلوں کے لئے اس کی ڈائری زیچیں چھوڑی، بطلیموس نے (۱۰۹ء) جو آپ ﷺ سے ۵۶۰ برس پہلے ہوا ہے اس کے پاس 747 قبل سے لیکر اگلے 887 برسوں کے اُس کی موت کے بعد تک کے زمانہ کے بابلی نقشے وزائچے موجود تھے جس میں چاند اور سورج گہن کی یقینی پیش گوئیاں بھی موجود تھیں (۴) یہ سارا ذخیرہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی موجود تھا جس سے عربوں کا مانوس ہونا نہ صرف مقامی یہود ونصاریٰ کے واسطہ سے تھا بلکہ پڑوسی کے رومی وفارسی ممالک کے علاقوں (شام وعراق) کی طرف تجارتی اسفار سے بھی تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اہلِ کتاب خصوصاً یہودِ مدینہ کو اس فلسفہ پر جو ناز تھا اس گھمنڈ کے رد میں کلام اللہ میں اپنے امّی حبیب ﷺ کے معجزہ کے طور پر بارہا فلکیاتی مضامینی آیات کا ذکر ہے جن سے نہ صرف ماقبل اسلام کے بلکہ مابعد کے نامی فلاسفرز کی علمیّت کی پستی واضح کی گئی ہے (۵) اور آج کا فلسفی تجربات کی بنیاد پر چودہ سو سالہ کلام اللہ وقول رسول ﷺ کی حقّانیت کو ایک طرف جہاں انسان کی دنیوی بہبود وضروریات کے لئے مجرّب ومشہود پاتا ہے تو وہیں وہ نماز روزوں کے حوالہ سے مفروضاتِ فلکیات درجات وڈگریوں کی **عدمِ قطعیت** کو قرآن وفرمانِ رسول ﷺ پر محقّق بھی پا رہا ہے۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الّذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولاالضالّین آمین وماعلینا الاّ البلاغ المبین

مولوی یعقوب احمد مفتاحی مورخہ ۲۴ شعبان ۱۴۳۰ھ بروز ہفتہ ۱۵ اگست ۲۰۰۹ء